جلد 23 شمارہ 10 ماہ اکتوبر 2021ء ربیع الاول 1443ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللّٰہ

صداقت

محبّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❁❁❁ سالانہ فنڈ -/300 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خصوصی شمارہ ماہانہ مجلّہ ''فلاح آدمیت''

سالانہ خطبہ

اکتوبر 2021ء

زادِ راہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
زادِ راہ سالانہ خطبہ	شیخ سلسلہ محمد یعقوب صاحب	3
نقوشِ مہر و وفا	سید رحمت اللہ شاہ	20
سید عطاء اللہؒ کا خط بنام عبدالقیوم	فہد محمود بخاری	27
تقویٰ اور حسن اخلاق	ڈاکٹر خالد غزنوی	29
مقصدِ حیات	ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک	33
زبان کی آفت	امام غزالیؒ	47
جہاد اور شہادت	علامہ اسحاق احمد	53
مریض	حکیم محمد سعیدؒ	59

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سالانہ خطبہ 2021

زادِ راہ

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

درود شریف

یا بلغ اولی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔ o

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادران سلسلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں اپریل 2019ء کے اجتماع کے بعد ہمیں اکٹھے مل بیٹھنے کا موقع میسر نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ 2020ء میں عین اجتماع کے موقع پر وبائی بیماری کرونا زور پکڑ گئی اور حکومت نے اجتماعات پر پابندی لگا دی۔ ارادہ تھا کہ اپریل 2021ء میں مل بیٹھیں گے مگر اس وقت بھی کرونا کی وجہ سے اجتماع نہ ہو سکا۔ اس کے بعد بھائیوں کا اسرار شروع ہوا تجاویز آئیں کہ:

۱) آدھے آدھے بھائیوں کو دو دفعہ کسی موقع پر بلا لیں۔

۲) اکتوبر میں اجتماع کر لیں۔

اور یہ اسرار بڑھتا ہی گیا چنانچہ ہم نے اکتوبر میں اجتماع کا فیصلہ کر لیا اور سب بھائیوں سے کہہ دیا کہ دعاؤں میں اللہ سے التجاء کریں کہ اللہ حالات کو ہمارے اجتماع کیلئے سازگار بنا دے۔ چنانچہ بھائیوں کی دعاؤں سے اللہ نے رحم فرمایا اور آج ہم

اکٹھے ہونے میں کامیاب ہوئے ہیں۔اس کیلئے ہم اللہ کا جس قدر شکر ادا کریں کم ہے۔ ہمارے لئے یہ اجتماع اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ پورے دو سال بعد اکٹھے ہوئے ہیں۔تمام بھائی اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

یادرکھیں!ہمارا یہ اجتماع کوئی سیاسی جلسہ ہے نہ کسی اور دنیاوی غرض کیلئے ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔یہ ایک خالص اللہ کے ذکر اور اس کو راضی کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اس لئے سب بھائی ایک دوسرے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے طریقے سیکھیں اور جو سکھا سکتے ہیں اپنے کمزور بھائیوں کو سکھائیں،تاکہ یہاں سے جب واپس گھروں کو لوٹیں تو سب کو اطمینان ہو کہ ہم خالی ہاتھ نہیں لوٹے۔

برادران حلقہ! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں خوشی اور غم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔گزشتہ دو سال کے عرصے میں ہمیں بھی کچھ صدمے برداشت کرنے پڑے ہیں۔اس دوران ہمارے پیارے بھائی ملتان سے امین شاہ صاحب،راولپنڈی سے عتیق عباسی صاحب ، واہ کینٹ سے افتخار اعوان صاحب ظفر وال سے رانا صفدر صاحب،پسرور سے صادق علی ڈوگر صاحب،کراچی سے رانا عبدالجبار صاحب،نوکھر سے حاجی عنایت اللہ صاحب،نوکھر سے بزرگ بھائی محمد لطیف ڈار کی اہلیہ، ڈاکٹر اشرف اللہ،راولپنڈی سے محمد شبیر توحیدی،نوشہرہ ورکاں سے عبدالحمید،گوجرانوالہ سے مرزا ظہور بیگ، ڈسکہ سے نذیر سندھو،اور نبی احمد، لاہور سے نسیم احمد، ملتان سے غلام حسین،گکھڑ سے عامر رشید انصاری،جڑانوالہ سے محمد سلیم،میری خوش دامن اور تین چچا زاد بھائی ہم سے بچھڑ گئے۔ان کے علاوہ بھائیوں کے بے شمار عزیز و اقارب

اس دوران ہمیں داغ مفارقت دے چکے ہیں۔سب کا فرداً فرداً نام لکھنا باعث طوالت ہوگا اس لیے میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ آئیں! ان سب مرحومین کی مغفرت کیلئے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (دعا)

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ترجیح اوّل ہے،اللہ کو نمبر 2 پر رہنا پسند نہیں ہے نہ ہی کسی کی شراکت بلکہ اللہ کو کامل اطاعت وفرمانبرداری مطلوب ہے جس میں ذرہ برابر بھی انسان کی اپنی مرضی شامل نہ ہو۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل ہوکر ہم اللہ کے ساتھ عہد کرکے خود پر دوہری ذمہ داری ڈال لیتے ہیں۔اس لیے یہاں تو سستی اور عمل سے فرار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔کیونکہ انسان کی جان اور مال مسلمان ہوتے ہی اس کے پاس اللہ کی امانت بن جاتی ہے لیکن مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور اللہ سے عہد کرکے ہم اس سودے (جان ومال کو اللہ کے ہاں بیچنا) کو اور مضبوط کر لیتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ O

(التوبہ: 111)

لہٰذا سالک کیلئے اس ذمہ داری کو نبھانے اور سرخرو ہونے کیلئے کامل اطاعت اور ان تھک عمل پیہم کے بغیر چارہ نہیں۔

برادران سلسلہ! کسی سلسلہ فقر میں شامل ہونے سے پہلے اسلام اور مسلمانی کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنا اشد ضروری ہے۔کیونکہ فقیری تو اللہ کے مقربین اور محبوب بندوں کا راستہ ہے جس سے پہلے پکا مسلمان ہونا ضروری ہے جس کیلئے صوم و

صلوٰۃ کا پابند ہونا، اور اگر صاحبِ استطاعت ہو تو حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔ اپنے کسی قول و فعل یا عمل سے مخلوق کو دکھ، رنج یا نقصان نہ پہنچانے کا پابند ہو اور دل میں خیر خواہی اور بھلائی کا جذبہ موجود ہو۔ اور اپنے اوپر عائد گھریلو اور معاشرتی ذمہ داریوں کو بخوشی اور احسن طریقے سے ادا کرتا ہو۔ ان اوصاف کے بغیر اللہ کے مقرب بندوں میں شامل ہونے کی خواہش محض خام خیالی بلکہ خود فریبی ہے۔ جو شخص سیڑھی کے پہلے زینے پر ہی قدم نہ رکھے وہ سیڑھی کے آخری زینے تک پہنچنے کا کیسے تصور کر سکتا ہے۔ یہ بنیاد جتنی مضبوط اور مستحکم ہوگی اللہ کے قرب کی منازل طے کرنا اتنا ہی آسان ہوگا۔

سلسلے کی تعلیم منحصر ہے دو باتوں پر: (۱) توحید (۲) تزکیہ اخلاق

ہمارے محسن و مرشد اور بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہؒ نے اپنی کتب ''تعمیر ملت''، ''چراغ راہ''، ''اور طریقت توحیدیہ میں سالکین راہ خدا کی مکمل رہنمائی فرما دی ہے۔ سلوک طے کرنے کا طریقہ، راہ سلوک کی رکاوٹیں، سلوک کا ماحصل وغیرہ بتا دیا ہے۔ مگر آپؒ نے اپنی تعلیمات میں دو چیزوں پر بہت زور دیا ہے جس میں ایک ''توحید'' اور دوسری ''تزکیہ اخلاق'' ہے۔ توحید کے بغیر سلوک تو کیا مسلمانی بھی مشکوک اور بے معنی ہو جاتی ہے اور تزکیہ اخلاق انسان کو انسان کامل بناتا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے''۔

توحید

''موجودہ زمانے میں جتنے بھی سلسلے ہیں۔ ان سبھی میں (اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ) پیر پرستی اور قبر پرستی اس قدر زیادہ ہوگئی ہے کہ اللہ تو کسی کو یاد ہی نہیں آتا۔

قبروں کو سجدے کرنا، ان سے منتیں ماننا اس قدر عام ہوگیا ہے کہ عوام اس کو گناہ اور شرک تو کیا بُرا بھی نہیں سمجھتے۔ زندہ پیروں کی عزت میں اس قدر غلو برتا جاتا ہے کہ نماز کے ادب آداب بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ہزاروں پیر صاحبان اپنے مریدوں سے خود اپنے آپ کو سجدے کراتے ہیں۔ اس کا نام انہوں نے سجدہ تعظیمی رکھا ہے اور اس کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ سجدہ سوائے اللہ کے اور کسی کو جائز نہیں۔

یہ لوگ قبر پرستی اور پیر پوجا میں اس قدر غرق ہوگئے ہیں کہ ان کو اللہ تو کیا، رسول اللہ ﷺ بھی شاذ و نادر ہی یاد آتے ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں سے بہت زیادہ تو ایسے ہیں جو حضور ﷺ کو اللہ سے بڑھ کر نہیں تو اسکے برابر ضرور جانتے ہیں۔ آپ کو لاتعداد ایسے مسلمان ملیں گے جو حضور اکرم ﷺ کو خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ یعنی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا خود رسول اکرم ﷺ کی شکل میں زمین پر اُتر آیا تھا۔ حالانکہ اسلام اوتاریت کے عقیدے کو کفر بتاتا ہے۔

الغرض! عقائد ہیں تو توحید کے خلاف، رسوم ہیں تو مشرکانہ، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ کا نام ہی "**توحیدیہ**" رکھوں۔ تاکہ سلسلے کے ہر مرید کو ہر وقت یہ بات یاد رہے کہ:

"میں بہ حیثیت ایک سچے مسلمان کے خالص توحید کا ماننے والا ہوں"۔

(**طریقت توحیدیہ** صفحہ:4)

"مومن چونکہ سوائے اللہ کے نہ تو کسی کے آگے سر جھکاتا ہے نہ کسی سے مدد کی اُمید رکھتا ہے، اِس لیے اس کی ذہنیت کبھی غلامانہ نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ نظر نہیں آتا

اس لیے اللہ کو ماننے والوں کی قوّتِ عمل کبھی کم یا مفقود نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ خود آ کر کسی کا کام نہیں کرتا بلکہ صرف عمل کرنے والوں کی نصرت و مدد فرماتا ہے، اِس لیے وہ اس کی نصرت کی اُمید پر مصروفِ عمل رہتے ہیں اور اپنی کامیابی پر ہمیشہ یقین رکھتے ہیں۔ برخلاف ازیں جو لوگ ''اربابٌ من دون اللہ'' مثلاً پیروں، فقیروں وغیرہ کو مانتے ہیں وہ چونکہ ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے موجود دیکھتے ہیں، اِس لیے خود عمل نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے ہیں کہ پیر صاحب کے تعویذ گنڈے یا دُعا سے خود ہی سب کام ہو جائیں گے، ہم کو مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس طرح ان کی قوّتِ عمل بالکل جاتی رہتی ہے۔ ایک سبب روحانی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے قلب میں ایک ایسی حرارت اور برقی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کے جوش میں وہ بڑی سے بڑی مشقت اور مصیبت کو بھی ہنستے کھیلتے برداشت کر لیتے ہیں اور کبھی تھکتے نہیں۔ ان مومنوں کو چونکہ یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم اللہ کے حکموں پر عمل کرتے رہے تو اس دُنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور اُس جہان میں بھی ہم کو اچھی سے اچھی جنتیں اور لازوال نعمتیں میسّر آئیں گی، اِس لیے وہ اُس کے راستے میں کسی ایثار و قربانی سے منہ نہیں موڑتے۔ وہ اپنے مال و دولت کی آخری کوڑی صرف کرتے وقت بھی یہ نہیں سوچتے کہ کل کھانے کو کہاں سے آئے گا۔ مال و دولت کا تو ذکر ہی کیا جان بھی دینی پڑے تو اس خوشی سے دیتے ہیں گویا پردیس سے اپنے وطن کو جا رہے ہیں۔ برخلاف ازیں جن لوگوں کے نظریات وعقائد کی بُنیاد ایسی ہستیاں ہوں جن کے عیوب و نقائص عقلاً ثابت ہو سکتے ہوں یا جن کی شکست و ریخت آنکھوں سے نظر آ سکتی ہو،

اُن پر جب اپنے معبودوں کے نقائص ظاہر یا ثابت ہو جائیں یا جب وہ بچشمِ خود اُن کو فنا ہوتے دیکھ لیں تو ان کا عقیدہ کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا۔'' (تعمیر ملت صفحہ 34)

بانی سلسلہ توحید کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں۔

''جب تک مسلمانوں میں توحید پرستی باقی رہی وہ کہیں اور کبھی مغلوب نہ ہوئے لیکن جیسے جیسے یہ ایمان کم ہوا وہ بھی کمزور ہوتے گئے اور جب توحید پرستی کی جگہ ان میں اشخاص پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، تعزیہ پرستی، زر پرستی، حُکام پرستی اور دیگر پرستیاں پیدا ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور پستی و ذلّت کے اس غار میں چھوڑ دیا جہاں پڑے ہوئے وہ آج اغیار کا منہ تک رہے ہیں۔ بہر حال یہ تو تھی محض ایک نفسیاتی توجیہہ۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ پر واقعی یقینِ کامل ہوتا ہے وہ یقیناً اس کی محبت اور شفقت کو دل سے محسوس کرتے اور اس کی امداد و نصرت کو آنکھوں سے نازل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کیسی ہی مصیبتیں پڑیں اُن کے پائے استقلال کو لغزش نہیں ہوتی۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ مصائب اُن کو تکلیف دینے کے لیے نہیں بلکہ اُن کے کردار کو پختہ اور کامل بنا کر اپنی نعمتوں کا اِتمام کرنے کے لیے نازل فرماتا ہے۔ اس ایمان کی وجہ سے ان کے دلوں میں اطمینان و مسرت کے وہ سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہیں جن کے سامنے دُنیا کے تمام مصائب و آلام پرکاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتے''۔ (تعمیر ملت صفحہ 35-34)

تزکیۂ اخلاق:

برادران سلسلہ! دوسری چیز جس پر بانی سلسلہؒ نے بہت زیادہ زور دیا ہے

وہ تزکیہ اخلاق ہے اور یہی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ" مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اور آپ ﷺ بذات خود انسانیت کے امام و پیشوا ہونے کی حیثیت سے اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہوئے جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انک لعلیٰ خلق عظیم "بے شک آپ ﷺ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں"

اس لیے جو لوگ سلوک طے کرنا چاہتے ہیں وہ جب تک اپنا ہر عمل حضور اکرم ﷺ کے عمل کے تابع نہیں کر لیتے اور جب تک حضور اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ کے تابع نہیں ہو جاتے ،اس راستے میں ایک قدم رکھنا بھی ناممکن ہے۔ لہٰذا سالک کے لیے تزکیۂ اخلاق میں کمال حاصل کرنا اس کے مقصد کے حصول کیلئے بہت ضروری ہوتا ہے۔تزکیہ اخلاق کی اہمیت ،محاسن اخلاق اور رذائل اخلاق پر بانی سلسلہؒ نے اپنے کتب میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔آج میں محاسن اخلاق میں سے دو چیزیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ایک محبت اور دوسرا صداقت۔ بانی سلسلہؒ کے بقول ان پر عمل کرنے سے انسان کا 90% نوے فیصد اخلاق درست ہو جاتا ہے اور بہت سارے محاسن ان کی وجہ سے خود بخود انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

محبت:

ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے،صحابہ کبار بھی بیٹھے ہوئے تھے۔یہ وہ وقت تھا جب عبادات کے احکامات مکمل ہو چکے تھے اور صحابہ کباران احکامات پر پوری طرح عامل تھے۔دین کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں۔اس وقت

آپ ﷺ دین کی عمارت کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے سوال کیا ''اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال میں سے سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے'' صحابہ کبار میں سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ''جہاد''۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''جہاد بہت اچھا ہے مگر میرا مقصود یہ نہیں تھا''۔ کسی دوسرے صحابی نے عرض کی کہ ''نماز''۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ''ہاں نماز تو بہت اچھی ہے، مگر میرا مقصود یہ بھی نہیں تھا۔ باقی صحابہ کبار نے روزہ، حج، زکوٰۃ کا کہا مگر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میرا مقصود یہ نہیں تھا۔ صحابہ کبار نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ پھر آپ ہی ارشاد فرما دیجیے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ کو تمام اعمال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ''اللہ سے اور اللہ کے لیے محبت'' ہے۔ اور جس نے اَلْحُبُ لِلّٰہ وَالْبُغض لِلّٰہ '' میں کمال حاصل کرلیا اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

حضور اکرم ﷺ کے مندرجہ بالا فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ ''عالمگیر محبت'' کتنی اہم ہے اور اس پر عمل کرنا کیوں ضروری ہے۔ بانی سلسلہؒ نے بھی ''عالمگیر محبت'' پر بہت زور دیا ہے۔ آپ ''طریقت توحیدیہ میں'' محبت کو اخلاق کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''سب سے پہلی بات جو اس ضمن میں یاد رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ اخلاق حسنہ کی بنیاد محبت اور صداقت پر ہے۔ یہاں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ ہم نے محبت اور صداقت دو لفظ استعمال کئے ہے، صرف محبت نہیں کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت کے ساتھ صداقت بھی بہت ضروری ہے۔ محبت اندھی ہوتی ہے اور اس میں اکثر اوقات

انسان ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو حق کے خلاف ہوتے ہیں۔اس لئے محبت کے ساتھ ہمیشہ صداقت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔محبت کوتو آپ جانتے ہی ہیں لیکن صداقت کیا چیز ہے ۔ہم آپ کو بتائیں صداقت یا حق یہ ہے کہ جس موقعہ پر جو کام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہو وہ کرو اور محبت کو قربان کردو۔مثال کے طور پر دو باتیں بیان کی جاتی ہیں:

1۔ محبت میں زنا اور لواطت کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ حق وصداقت یعنی اللہ کے حکم کے خلاف ہے ۔اس لئے خواہ کتنی ہی محبت ہو ان دو باتوں سے اجتناب کرو۔

2۔ فرض کرو تم ایک جج ہو اور تمہارا صرف ایک بیٹا ہے جس کو تم بہت عزیز رکھتے ہو۔تمہارے اس بیٹے نے کسی کو بے گناہ قتل کر دیا اور مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہوا۔ جرم ثابت ہو گیا تو اب محبت کا تقاضا ہے کہ کوئی نہ کوئی قانونی سقم نکال کر تم اپنے بیٹے کو بری کر دو لیکن حق کا تقاضا ہے کہ تم اس کو پھانسی کی سزا دو۔تو ایسے موقعہ پر تم کو چاہئے کہ محبت کو قربان کرو اور حق کرو یعنی اپنے اکلوتے لخت جگر کو سزائے موت دے دو۔ (حضرت عمر فاروقؓ کی مثال یاد کرو) یہ تو صرف دو مثالیں ہم نے دی ہیں۔زندگی میں ایسے سینکڑوں مواقع آتے ہیں، جب محبت اور صداقت کا ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔اس لئے ہر موقعہ پر تم کو وہی کرنا چاہئے جو حق ہو۔

ہاں تو اخلاقِ حسنہ پیدا کرنے کے لئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ عالمگیر محبت کا جذبہ پیدا کرو۔اور اپنے دل و دماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لو۔اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تمہارے

ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ مجنوں، لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا تم کیسے محبّ ہو کہ اپنے محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے۔

محبت کے جذبہ میں بہت سے اعلیٰ جذبات وخصائل پوشدہ ہیں۔ جب تمہارا دل محبت کے رنگ میں رنگ جاتا ہے وہ سب تمہارے کردار کا جزو بن جاتے ہیں۔ جو دل محبت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہوگا اس سے یہ خصائل نمایاں طور پر ظہور میں آئیں گے۔

1۔ اطاعت وفرمانبرداری
2۔ سخاوت وایثار اور قربانی
3۔ رحم وکرم
4۔ عفوودرگزر اور چشم پوشی
5۔ نرمی اور خوش مزاجی
6۔ حلم وبرداشت
7۔ عاجزی وانکساری
8۔ مدد وخدمت

الغرض! یہ اور کئی اور مکارم اخلاق ہیں جو سب کے سب محبت کی وجہ سے انسان کے کردار کا جزو لاینفک بن جاتے ہیں۔ دنیا میں جتنے بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں ان سب کے اخلاق میں یہی صفات تھیں جو نمایاں نظر آتی تھیں۔ تم اگر واقعی خدا کے محبوب بندے بننا اور دنیا میں عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کے سوائے چارہ نہیں کہ دل میں عالمگیر محبت پیدا کرو اور اس کے ساتھ ساتھ اوپر بیان کئے ہوئے فضائل اخلاق کو بھی نشو ونما دیتے رہو۔ لیکن صداقت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو، ورنہ ساری نیکیاں بدیوں میں تبدیل ہو جائیں گی اور تم ولی الرحمٰن بننے کے بجائے ولی الشیطان بن جاؤ گے۔

محبت کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ سب سے زیادہ

محبت درحقیقت صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے کرنی چاہیے یا ان کے بعد اپنے شیخ سے، لیکن مخلوق سے بھی اس واسطے ضروری ہے کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی ہے اور اس کی سب سے پیاری نشانی ہے اور اس کی اَن گنت صفات کا مظہر ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ایک عام حیثیت سے ہونا چاہئے اور یہ بھی یقینی ہے کہ مخلوق میں تم سب سے ایک جیسی محبت نہیں کر سکتے کسی سے کم کسی سے زیادہ۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہونا چاہئے کہ تم کو کسی ایک انسان سے اتنی محبت ہو جائے جو تمہارے اور خدا کے درمیان حائل ہو کر خدا کو بھلا دے۔

مخلوق سے محبت کا مطلب خاص طور پر یہ ہے کہ تم کسی کو حقیر ذلیل نہ سمجھو اور کسی سے نفرت نہ کرو۔ مثلاً کسی شخص کو تم جانتے ہو کہ سخت گناہگار ہے تو اس کے گناہوں کی وجہ سے تم کو اس سے نفرت نہیں کرنی چاہئے بلکہ تم کو اس پر رحم آنا چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا رہا ہے اور گناہوں سے بچانے میں تم کو اس کی مدد کرنی چاہئے یا ایک شخص سخت غریب و مفلس ہے کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے ہیں تو اس سے بھی محبت کرو۔ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی غربت کو دور کرنے میں حسب توفیق جو مدد کر سکتے ہو ضرور کرو یا ایک آدمی بیمار ہے تمام بدن پر زخم ہیں سڑک کے کنارے پر پڑا بھیک مانگ رہا ہے، تمام بدن پر مکھیاں بھنک رہی ہیں تو اس سے بھی محبت کرو۔ ہو سکے تو اس کا علاج کراؤ، اس کے لئے مکان کا بندوبست کرو اور جو خدمت ممکن ہو بجا لاؤ۔

حضرت عیسیٰؑ کا حکم ہے کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو اور اس کو دشمن سمجھتے ہوئے محبت کرو۔ یہ کتنا مشکل کام ہے لیکن جو عیسائی پادری حقیقت میں بزرگ ہیں وہ اس حکم پر پوری طرح عمل کرتے ہیں۔ ہے مسلمانوں میں کوئی شخص! جو اس معاملہ میں

ان کی برابری کا دعویٰ کر سکے۔اگر کسی شخص کے دل میں یہ باتیں پڑھ کر یہ خدشہ پیدا ہو کہ یہ تو عیسائیوں کی تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو۔اسلام کی تعلیم تو آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک ہے۔تو اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر قوم میں عام اور خاص دو طبقے ضرور ہوتے ہیں اور دونوں کا اخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔تو قرآن میں آنکھ کے بدلے آنکھ کا جو حکم ہے وہ عوام کے لئے ہے۔اگر یہ نہ ہو اور ہر شخص ایک گال پر تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا آگے کر دے تو نظام عالم میں فرق آجائے۔لاکھوں آدمی اس قاعدے سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور دنیا میں تہلکہ مچ جائے۔لیکن قرآن میں مسلمانوں کے خواص اور اہل اللہ کے لئے یہ حکم ہے کہ ''تمہارے ساتھ کوئی کتنی بھی برائی کرے تم ہمیشہ اور ہر موقعہ پر اس کا جواب نیکی سے دیتے رہو، یہاں تک کہ وہ رشتہ داروں کی طرح تمہارا دوست بن جائے''۔تو اب تم خود سوچو کہ جب تم نیک اور بزرگ بلکہ ولی اللہ بننے کی نیت سے سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہوئے ہو تو تم کو انہی کا سا اخلاق بھی اپنانا پڑے گا۔اگر عوام ہی کا سا اخلاق رکھنا ہے تو پھر کسی سلسلہ فقر میں شامل ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(طریقت توحیدیہ)

صداقت:

سلوک میں صداقت کا درجہ بھی محبت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔محبت کی ابتداء میں انسان بے راہ روی اختیار کر سکتا ہے لیکن صداقت ایسے وقت میں اس کیلئے گارڈ اور محافظ کا کام دیتی ہے اور وہ راہ راست سے ہٹنے نہیں پاتا۔صداقت اور حق

دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔مجمل طور پر یہ یاد رکھو کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے ان کو کرنا اور جن کو نہ کرنے کا حکم دیا ہے ان کو نہ کرنا ہی حق ہے۔لیکن زیادہ آسانی سے سمجھ میں آنے کیلئے ہم تھوڑی سی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

تمہارے بدن میں سب سے اوپر سر ہے اور سر میں دماغ ہے، دماغ کا کام سوچنا ہے۔صداقت کا تقاضا ہے کہ کسی کے متعلق کبھی کوئی بری بات نہ سوچو۔

دماغ کے بعد آنکھیں ہیں، آنکھوں کی سچائی یہ ہے کہ کسی کو بری نظر، لالچ اور غصہ یا تحقیر کی نظر سے نہ دیکھو۔کانوں کی صداقت یہ ہے کہ کبھی کسی کی برائی یا عیب کانوں سے نہ سنو۔ابوداؤد میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے کانوں تک میرے کسی صحابی کا عیب مت پہنچاؤ۔میں چاہتا ہوں کہ انتقال کے وقت میں تم میں سے اس طرح جاؤں کہ میرا سینہ تمہاری طرف سے بالکل صاف ہو۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کسی کا عیب سننا جائز نہیں سمجھتے تھے۔تم بھی ایسا ہی کرو اور جب کوئی تم سے کسی کا عیب بیان کرنے لگے تو سننے سے انکار کردو۔کانوں کے بعد زبان ہے، زبان کی صداقت یہ ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولو، کسی کو گالی نہ دو، سخت کلامی سے پیش نہ آؤ، کسی کا مذاق نہ اڑاؤ، چغلی مت کھاؤ، غیبت نہ کرو ،کوئی حرام چیز نہ چکھو اور کسی کا عیب بیان نہ کرو۔ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے سامنے دنیا بھر کی نعمتیں رکھ دی جائیں تو بھی میں کسی کا عیب بیان نہ کروں گا۔قرآن مجید میں بھی حکم ہے کہ **لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا** (الحجرات) یعنی ''کسی کی غیبت نہ کرو''۔غیبت میں کیا ہوتا ہے۔عیب ہی تو

بیان کئے جاتے ہیں۔اس لئے تم کسی کا عیب دیکھ بھی لو تو بھی بیان نہ کرو۔زبان کے بعد ہاتھ ہیں، ہاتھوں کی صداقت یہ ہے کہ کسی کو ان ہاتھوں سے نہ مارو۔نہ ان چیزوں کو چھوؤ جن کا چھونا جائز نہیں ۔ہاتھوں کے بعد پاؤں ہیں، پاؤں کی صداقت یہ ہے کہ بری جگہ چل کر نہ جاؤ۔یہ ہے تمہارے بدن کے ہر عضو کی صداقت اور تم کو ان میں سے ہر ایک بات کا خیال رکھنا اور اس پر عمل کرنا ہوگا۔فقر اور بزرگی حاصل کرلینا کھیل یا مذاق نہیں ہے۔اس لیے یہ سب کچھ کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندہ رہنے کے لئے کھانا پینا۔"

(طریقت توحیدیہ صفحہ:40-39)

برادران سلسلہ! میں نے آپ کے سامنے انصاری صاحبؒ کی کتب میں سے دو محاسن پیش کیے ہیں۔ان محاسن کے علاوہ میں انصاری صاحب کی کتب سے ہی دو رزائل کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے انسان کا اخلاق خراب ہوجاتا ہے۔

(ا) بدگمانی :

یہ برائی گناہ بھی بن سکتی ہے بدگمانی کے بارے میں حضرت صاحبؒ نے ایک واقعہ بھی کتاب میں لکھا ہے۔اس کے علاوہ بھی انسان بدگمانی میں دوسروں کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے چاہے وہ حقیقت میں کچھ بھی نہ ہو۔اس طرح وہ اپنے ذہن کو مفلوج کرلیتا ہے اور کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر کبھی جذبات میں آکر اس کا اظہار کرلیا تو شرمندگی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔دوسروں سے بدگمانی سے اپنا دماغ اس طرف مصروف کرکے انسان اللہ اللہ کرنے سے رہ جاتا ہے جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔

(۲) تجسس اعمال:

یہ بہت ہی بری بیماری ہے۔انسان خواہ مخواہ دوسروں کے لیے پریشان رہتا ہے۔باباجیؒ نے لکھا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے اعمال کی ٹوہ میں رہتے ہیں ان کے اخلاق خراب سے خراب تر ہوتے جاتے ہیں اور وہ اپنی اس حرکت کو جائز کرنے کے لیے دوسری برائیاں جیسے پارٹی بازی، گروہ بندی وغیرہ کرتے ہیں۔اور حسد، بغض، نفرت جیسے معائب میں گرفتار ہونے کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔ بلکہ ان برائیوں میں پڑ جاتے ہیں اور ان کو احساس تک نہیں ہوتا۔

اس لیے میری آپ سب بھائیوں سے گزارش ہے کہ اپنے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں۔جس طرح ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ ہمارے سلسلے کی تعلیمات باقی تمام سلاسل کی تعلیمات سے بہت بہتر ہیں نتیجتاً ہمارا اخلاق بھی نبی مکرم ﷺ کی اتباع میں مثالی ہونا چاہیے۔

اس لیے میں اکثر آپ کے گوش گزار کرتا رہتا ہوں کہ مخلوق خدا سے پیار کریں اور اپنے حلقے سے پیار کریں۔آپ سراپا پیار و محبت بن جائیں۔آپس میں ہمارے معاملات، میل ملاقات اس پیار و محبت کے مظاہر ہیں جس سے آپ کو محبت ہے اس سے آپ ملاقات بھی رکھیں گے اس کو یاد بھی کریں گے اور رابطہ بھی رکھیں گے۔ لیکن اگر اس کے برعکس بھائیوں سے ملے ہفتوں یا مہینوں گزر جائیں اور آپ اپنے بھائی کے احوال سے بے خبر رہیں تو اس تعلق کو کیسے پیار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے اس سے تو ملے بغیر اور بات کیے بغیر قرار نہیں آتا اس لیے

آپس کے پیار کو محض اللہ کے لیے خلوص کی بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے اور مضبوط کیجیے۔محبت پیدا کرنے سے ہی آپ کا اخلاق سنورتا چلا جائے گا۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے

یاد رکھیں! انصاری صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ توحیدی بھائی آپس میں سگے بھائیوں سے زیادہ پیار کریں اور اگر کبھی کسی پیر بھائی اور سگے بھائی کے درمیان کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو مرشد سے رجوع کریں۔

انہی الفاظ کے ساتھ میں آپ بھائیوں سے اجازت چاہتا ہوں۔

اللہ ہمارے ہر معاملے میں آسانیاں پیدا فرمائے، ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے، اور ہمارا اللہ محض اپنی رحمت سے ہمیں اپنے مقرب اور پسندیدہ بندوں میں شامل فرمائے۔آمین!

والسلام

محمد یعقوب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت، گوجرانوالہ

9۔اکتوبر 2021ء

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

نماز اور ذکر کی بات چل رہی تھی۔ بابا جانؒ فرمانے لگے کہ ہر ایک نے اپنی اپنی بات بتادی ہے کہ اس طرح ہوتا ہے۔ سلطان باہوؒ بھی کہتے ہیں:

یا ریگانہ ملسی تینوں جے سر دی بازی لائی ہُو

نال تصور اسم اللہ دے دم نوں قید لگاویں ہُو

اللہ کے نام کا تصور کرلو اور سانس پہ پہرہ لگادو۔ یہ کرو! یہ کتنا آسان ہے۔ نہ پیسہ، نہ ٹکہ۔ نہ ہینگ نہ پھٹکری۔ وہ اللہ پھر اس میں محبت پیدا فرماتا ہے۔ کہتا ہے کہ تم ایک دفعہ میرا ذکر کرو میں دس دفعہ یاد کروں گا۔ جو حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ حق ہے۔ اس کو حق ماننا ہی اسلام لانا ہے۔ ایمان کا مطلب ہے پیغمبر کی بات پر یقین کرنا کہ جو کہا ہے سچ کہا ہے، یہ ایمان ہے۔ آپ نے تو اللہ نہیں دیکھا۔ پڑھتے ہیں: اٰمنتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ.

ہمیں ان کا نہیں پتہ کہ کیا ہے! نبی ﷺ کی بات کو سچ مان لیا تو مسلمان ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہے، فرشتے بھی ہیں، کتابیں بھی ہیں، جنت بھی ہے، دوزخ بھی ہے، مرنا جینا ہے، یہی ایمان بالغیب ہے۔ یہی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ. (سورۃ البقرہ: آیت ۳) ہے۔ یہ چیزیں

غیب سے ہیں۔کسی کا کوئی پتہ معلوم نہیں ہے۔حضورﷺ کو سچا مان کے بات ماننا یہی ایمان ہے۔ وہ مان لو کہ اللہ دس دفعہ یاد کرتا ہے۔تم یہ کام کرتے ہو اللہ اتنے درجات بلند کر دیتا ہے۔ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنا جَلِیسُ مَن ذَکَرَنِی. ﴿جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں﴾ اس کے پاس بیٹھا ہوتا ہوں۔اور کتنا قُرب چاہئے؟ اللہ کہتا ہے: اَنا جَلِیس. میں ہم نشین ہوتا ہوں۔مَن ذَکَرَنِی. جو مجھے یاد کرتا ہے۔حضورﷺ نے فرمایا کہ جو ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا وہ ایسے ہیں کہ جیسے ایک مردہ اور دوسرا زندہ ہو۔ جو نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔ یہ ٹیوب لائٹ نہیں جل رہی، اس کی تار کٹ گئی ہے۔ہم بھی کہتے ہیں کہ Dead ہوگئی ہے۔ بلب نہیں جل رہا تو کہتے ہیں کہ تار Dead ہوگئی ہے۔Main line کے ساتھ تعلق نہیں رہا۔حضورﷺ نے فرمایا کہ جو ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے، جو نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔جس کی تار لگی ہوئی ہے اس کی روشنی ہی روشنی ہے۔اس کے اندر نور ہے۔قرآن میں سورۃ الحدید: آیت ۱۲ ارشاد ہے: یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یَسْعَی نُوْرُھُم بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِم.

مومن جب قیامت کے دن اُٹھیں گے، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں طرف ایسے ساتھ آگے چلے گا۔ پیچھے سے منافق کہیں گے کہ ٹھہر جاؤ ذرا۔ہمیں بھی اپنے نور سے تھوڑا نور لینے دو۔ہم بھی تمہارے ساتھ ہی تھے۔وہ کہیں گے کہ ساتھ تو تھے لیکن تم سوچوں میں پڑے ہوئے تھے۔اس وقت تم اللہ کے بندوں کے ساتھ نہیں بیٹھتے تھے جہاں سے نور ملتا تھا۔ اب کیا!!!!

قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُوراً فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ ○ (سورۃ الحدید ۵۷۔آیت ۱۳)

پھر ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی جس کے اندر رحمت ہوگی۔ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے جاؤ، وہاں سے اپنا نور تلاش کرو۔اُدھر ہی جدھر سے ملتا ہے۔وہاں جاؤ۔ ادھر ہی پھرتی رہتی ہیں کئی بدروحیں جو لوگوں سے چمٹی رہتی ہیں کہ میں فلاں کی بیٹی ہوں۔وہی ہیں جو نور سے محروم رہ گئے۔اِدھر ہی پھر رہی ہیں۔جہاں ذکر ہوتا ہے چلی جاتی ہیں۔تھوڑی سی بوند لے کر، کسی کے ساتھ تا رملا کر تھوڑا سا کھینچ لیا۔وہ مومن ہیں جن کا نور تھوڑا ان کے آگے آگے چلے گا۔جو کہیں گے:

رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ التحریم: آیت ۸)

ہمارے نور کی تکمیل فرما دے! اور زیادہ کر دے۔ذکر کے صدقے میں ہی یہ سارا کچھ آگے بٹتا ہے۔ذکر کی بہت ہی حدیثیں ہیں۔یہ ایسے ہے جیسے زندہ ہے اور مردہ ہے۔ جو ذکر کرتا ہے وہ ایسے ہے جیسے Live ہو۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اچھی جگہ مساجد ہیں جہاں پہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔سب سے بری جگہ بازار ہیں جہاں پر دنیا کا سودا ہوتا ہے۔ لے جاؤ۔اُٹھا لو۔سب سے اچھی مساجد ہیں۔فرمایا: ''مساجد آسمان سے ایسے چمکتی ہیں جیسے یہاں سے ستارے چمکتے ہیں''۔وہاں سے مسجدیں ایسے چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں جہاں پہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔جب وہ جگہ چمکتی ہے جہاں ذکر ہوتا ہے تو وہ بندہ جو ذکر کرتا ہے، اس بندے کا اپنا کیا حال ہے؟ جس جگہ ذکر کیا وہ چمکی ہے۔آپ کے ذکر نے اس کو چمکایا ہے۔بندے بھی

ایسے چمکتے ہیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث ہے کہ صحابہ کرامؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن ہم آپ ﷺ کو کیسے پہچانیں گے؟ ہمیں تو آپ ﷺ کی سخت ضرورت ہوگی، سخت گھڑی ہوگی، ہم آپ ﷺ کا ساتھ چاہتے ہوں گے۔اتنی اُمتیں ہوں گی، دنیا ہوگی، اور ہم آپ ﷺ کو کیسے پہچانیں گے؟حضور ﷺ نے فرمایا: میں اپنی اُمت کو پہچان لونگا۔پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیسے؟ اتنے لوگ ہوں گے۔فرمایا: میری اُمت کے وضو کے اعضاء دور سے ہی چمک رہے ہوں گے۔ایسا وضو صرف میری اُمت ہی کرتی ہے۔ دور سے یہ اعضاء چمک رہے ہوں گے۔لائٹیں چل رہی ہوں گی۔چہرے روشن ہوں گے، دور سے پتا چل جائے گا۔

رات کو گاڑیاں جا رہی ہوں تو لائٹ کوئی دور سے نظر آتی ہے تو پتا لگ جاتا ہے کہ کوئی چیز آ رہی ہے۔ایسے ہی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی اُمت کو پہچان لوں گا۔ان کے یہ اعضاء روشن ہوں گے۔یہ وضو کی برکت ہے۔نماز ابھی نہیں پڑھی۔نماز پڑھیں گے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کا نور کتنا ہوگا؟ یہ تو تیاری کی بات ہے۔وضو کا اتنا نور ہوگا۔جب نماز ادا کرے گا تو پھر کیسا نور ہوگا؟ اس نور کو قائم کر لیں۔اپنی پہچان بھی بنا لیں۔حضور ﷺ اس طرح اُدھر پہچان لیں گے ورنہ تو اُدھر اتنے ہجوم میں ہم گم ہو جائیں گے۔یہ نشانی رکھی ہے۔وہ جو کہتے ہیں کہ نماز پڑھو۔حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بھی کفر میں اور ایمان میں فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ورنہ کوئی فرق نہیں ہے۔اگر ہندو ٹی وی پر بیٹھے ہوں اور مسلمان بھی بیٹھے ہوں، کوئی پتا نہیں چلتا کہ کون ہے؟ کئی شکلیں ایک جیسی ہیں۔نماز کا وقت ہوگا، مومن اُدھر سے

چلا جائے گا کہ اللہ کی پکار آ گئی ہے۔ ادھر دنیا میں بھی فرق والی چیز نماز ہے۔ وہاں بھی فرمایا کہ باقی اُمتوں سے اپنی اُمت کو نماز کی وجہ سے، وضو کی وجہ سے پہچانوں گا۔ جو اپنی شناخت ہی گم کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے پیغام دے دیا۔ یہی ہے، اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نماز فرض ہے۔ جس کو شوق ہے کہ اللہ کی راہ پہ چل پڑے، یہ صرف اس کے لئے نہیں ہے۔ نماز شوق پہ نہیں رکھی گئی۔

ہمارے قبلہ حضورؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) ذکر کی اور نماز کی بات کرتے تو کوئی کہتا کہ باباجی ذکر تو کر لیں گے، نماز کو جی نہیں چاہتا۔ دُعا کریں۔ باباجیؒ کہتے کہ میں دُعا نہیں کرتا کیونکہ جو چیز اختیاری ہے اس کے لئے دعا نہیں ہوتی۔ نماز آپ کے بس میں ہے۔ آپ کے اختیار میں ہے۔ جو کام اختیاری ہے اس کے لئے دُعا نہیں ہوتی۔ حج کرنا ہے، پیسہ نہیں ہے۔ اس کیلئے پیسہ بھی ہو، صحت بھی ہو۔ یہ اس کی شرائط ہیں کہ یہ ہوں تب۔ اس کے لئے دعا ہو سکتی ہے۔ نماز کے لئے دعا نہیں ہوتی۔ جو اختیاری کام ہے آپ کے بس میں ہے اس کے لئے دعا نہیں ہو گی۔ وہ لوگ کہتے کہ جی نہیں کرتا۔ باباجیؒ فرماتے: فرض کی تعریف ہی یہ ہے: دل چاہے، نہ چاہے، وہ کرنا پڑتا ہے۔ فرض اسی کو کہتے ہیں۔ یہ دل چاہے تو پڑھ لو اور دل نہ چاہے تو نہ پڑھو، یہ نفل ہے۔ نہیں جی کرتا تو نفل نہ پڑھو۔ نماز کے ساتھ ہے بے شک یہ نفل چھوڑ دو۔ فرض کی تعریف ہی یہ ہے کہ جی چاہے یا نہ چاہے وہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ ڈیوٹی پہ جانا ہے، فوجی آدمی ہے۔ بارش ہو، آندھی ہو، یا جو مرضی ہو، یہ وردی پہن کے چل پڑتے ہیں۔ نماز کا فرمایا کہ اختیاری فعل ہے یہ آپ خود کریں۔

میں بھی یہی کہتا ہوں ۔مولوی جو کہتا ہے کہ اللہ نماز کی توفیق دے۔وہ یہ غلط بات کہتے ہیں کہ نماز کی توفیق دے۔اللہ نے جس کی توفیق نہیں دی وہ فرض نہیں کیا۔جس کے پاس پیسہ نہیں ہے اس پہ زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔اس پہ قربانی فرض نہیں ہے۔حج فرض نہیں ہے۔یہ سب ساقط ہیں۔جب توفیق ہوگی یہ پھر فرض ہوں گے۔جس کی توفیق نہیں دی وہ فرض نہیں ہے۔نماز سب پہ فرض ہے۔اس کا مطلب ہے کہ سب کو توفیق دی ہوئی ہے۔سارے پڑھو۔توفیق کا مطلب ہے کہ آپ انجام دے سکیں۔بیچ میں رکاوٹ نہ ہو۔بیچ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔اذان ہوگئی ہے،مسجد جا کے نماز پڑھے۔آپ پڑھ سکتے ہیں، ہر کوئی پڑھ سکتا ہے۔اب مرضی ہے آپ کی کہ پڑھیں۔توفیق اللہ نے دے رکھی ہے،آپ کے مسجد جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔نماز کے اندر اس میں بڑی سہولتیں ہیں۔کوئی بیمار ہے،خدا نخواستہ کھڑے ہو کے نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کے پڑھو۔اشارے سے پڑھو لیکن جب تک ہوش وحواس قائم ہیں چھوڑ نہیں سکتے۔اس لئے ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ توفیق والی بات نہیں ہے۔توفیق کی دُعا اس کام کے لئے ہے جس کام کو آپ نہیں کر سکتے۔حج کے لئے دُعا کرو تو ٹھیک ہے۔پیسہ اللہ دیتا ہے۔نماز کی اللہ نے توفیق دے رکھی ہے اس لئے سب پر فرض کر دی ہے۔ہر بندہ ادا کر سکتا ہے۔سہولت اللہ نے خود پیدا کر دی ہے کہ کب نہ پڑھیں۔حیض کے وقت عورتیں نہ پڑھیں۔آپ بیمار ہوئے ہیں،قضاء ہوگئی ہے تو قضاء ہی پڑھ سکتے ہیں لیکن جب تک ذہنی توازن ٹھیک ہے آپ کو پڑھنی ہے۔اس لئے وہ نماز کی توفیق کی بات نہیں ہے۔توفیق اللہ نے دے رکھی ہے۔ہماری غفلت ہے، سستی ہے، جو کچھ مرضی کہیں لیکن توفیق کی

بات ٹھیک نہیں ہے۔ایک کام کی توفیق دی ہے تو فرض ہے۔ایک ہی تو فرض ہے نماز جو روزانہ کرنا ہے،اور کون سا ہے؟ باقی سارے فرائض جو ہیں وہ سالانہ ہیں۔روزے سال کے بعد، حج بھی سالانہ،زکوٰۃ بھی سالانہ۔روزکا تو یہی فرض ہے۔نماز تو یہ پڑھیں۔ذکر اگر شوق ہے اور اپنے درجات بڑھانا چاہتے ہیں،اللہ کے قریب جانا چاہتے ہیں تو یہ کرو۔

؎ جو دم غافل سو دم کافر

ہر وقت اللہ کا ذکر کرو۔حضورﷺ یہ فرماتے ہیں کہ الٓمٓ تین حروف ہیں۔جو الٓمٓ پڑھتا ہے اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔اس کے کوئی معنی نہیں ہیں،کسی چیز کا نام نہیں ہے۔اس کی مثال بیان کی ہے۔قرآن میں ہاتھی کا،گھوڑے کا،مچھر کا،اور سب کا نام آتا ہے۔جب قرآن میں پڑھیں گے تو ان کی بھی اسی طرح نیکیاں ملیں گی کیونکہ قرآن میں ہیں۔ جو اللہ کا نام پڑھے گا،اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ مچھر کا نام لیں اور اللہ کا نام لیں تو ایک جیسا اجر ہوگا۔جب اللہ کا نام لیں گے تو پتا نہیں اس کی کتنی Multiplication ہوگی۔اللہ کی ذات کا نام لیں گے تو اور بھی بڑھے گا۔جب اللہ کا ذکر کریں گے تو اس کا کیا مقام ہوگا؟ باباجیؒ (خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) فرماتے تھے:یار! جنت کا کیا ہے۔جنت تو ایک دفعہ 'اللہ' کہو، پیار سے ایک دفعہ 'اللہ' کہنے سے بھی جنت مل جاتی ہے۔لیکن جو درجے ہیں وہاں ان کے لئے بھی کوشش ہونی چاہئے۔High درجات جو ہیں ان کے لئے کوشش ہو۔ایک ایک نیکی وہاں ایسے ہوگی جیسے زمین اور آسمان ہیں۔ایک درجے کا یہ فرق ہوگا۔ایک نیکی ایسی ہوگی۔دوسری اس سے اوپر۔جنت بڑی وسیع ہے۔جنت میں ان اعلیٰ درجات کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مجاز حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا خط

بنام عبدالقیوم صاحب

مورخہ: 22.12.1981

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا پیار سے بھرا سعادت نامہ ملا جو باعثِ خوشی و تسلی بنا۔ شکر ہے فکر و گھبرانے کی کوئی بات نہیں صرف دماغ کو تمام خیالات سے پاک کر کے اللہ کو دماغ میں لانے اور پھر دماغ سے اللہ کو قلب میں پہنچانے کی بات ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفہ سے یعنی دو تین منٹ یا پانچ منٹ تک کرنے کے بعد پھر قلب میں ہی پُکار کے ساتھ اللہ اللہ کرنے سے تمام کثیف خیال ردّ ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ! جب قلب سے دماغ اور دماغ سے قلب تک پاس انفاس کریں تو اللہ کا ہی خیال رکھیں اور باقی وجود اور سانس کے آنے جانے کے خیال کو ترک کر دیں اسی طرح سانس یعنی آرام کر لینے کے بعد جب قلب میں اللہ اللہ کی یاد پکار کے شروع کریں تو صرف آرزو کے ساتھ اللہ اللہ ہو اور لفظ اللہ نہیں مگر اللہ کے خیال کو دل میں جاں گزیں کریں تا کہ وہ ہر صفت سے پاک ذات قلب میں آئے۔ اس وقت بھی سانس کے آنے جانے سے خیال اور وجود کو بھول جائیں اپنے اندر اور پھر باہر پھر پوری فضاء و کائنات میں اللہ کا خیال کرتے ہوئے سب کچھ نفی کرنے کی کوشش کریں۔ مگر یاد رکھیں! سب سے زیادہ اپنے قلب پھر سینے میں اسے یاد کریں لفظ اللہ یعنی جیسے اللّٰہ لکھا ہوا ہوتا ہے، ایسے اللہ کا خیال نہ کریں۔ اسے اللہ کے خیال سے دل میں داخل کریں وہ لامحدود ذات ہے جو کسی احاطہ میں نہیں آسکتی اور نہ ہی کوئی اس کا احاطہ کر سکتا ہے اللہ تو اس کا پیارا ذاتی نام ہے مگر وہ خود نہ جانے کتنی پیاری اعلیٰ و ارفع ذات ہے جتنا ہی اس کے خیال کو وسیع کریں اس کی کوئی

وسعت نہیں، وہ وسعت جیسے لفظ سے بھی اور تمام وسعتوں سے پاک ہے اس کی بزرگی کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے کوئی حرف یا بیان نہیں جو زبان پر یا تحریر میں لایا جا سکے۔ بس! اسے اپنی استعداد کے مطابق اپنے قلب میں جگہ دینے کیلئے اپنے قلب کو وسیع سے وسیع تر کریں تا کہ کچھ تو محبت بڑھ سکے قلب کے ساتھ عقل و دماغ کو بھی وسعت دیں اگر یہ تنگ رہے تو کام مشکل سے بنے گا۔ مگر علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جفا جو عشق میں ہوتی وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طُور ہوتا

ایسے تمام اشغال (کاموں یا عملوں) سے اعراض کرنا ہے (چھوڑنا) جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں اور ایک ان میں سے دنیا ہے کہ بندہ کو اس سے ہاتھ اٹھالینا چاہئے اور دوسری عقبیٰ کی محبت ہے کہ دل کو اس سے خالی کر دینا چاہیے اور تیسری خواہش نفس کی پیروی ہے کہ باطن کو اس سے خالی کر دینا چاہئے۔ چوتھی خلقت کی صحبت ہے کہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کر لینا چاہئے اور دل کو ان کے خیال سے خالی کر لینا چاہئے ورنہ یہ سراسر ضرر اور خسارہ ہیں۔

والسلام

عطاء اللہ بخاری

تقویٰ اور حسنِ اخلاق

(ڈاکٹر خالد غزنوی)

خلق کی جمع اخلاق ہے جو انسان کے مجموعہ اعمال کا نام ہے اور مجموعی روّیہ کا بھی۔ خلق یا اخلاق کا اطلاق ان ہی عادات و اعمال پر ہوگا جو پختہ ہوں اور جن کا صدور بلا تکلف ہو۔ انسانی شخصیت کا انحصار اس کی ظاہری شکل وصورت کے علاوہ اس کے اخلاق و عادات پر بھی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخلاق و عادات ہی انسان ہے اور ان ہی سے انسان کی شخصیت کا ظہور ہوتا ہے۔ انسانی اوصاف کو خصوصی تربیت سے ایک خاص نہج پر منظّم و مستحکم بھی کیا جاسکتا ہے۔ انسانی معاشروں میں انبیاء و مصلحین کا یہی تعلیمی و تربیتی کردار ہے جس سے اچھے افراد، صالح جماعتیں اور پاکیزہ معاشرے پیدا کئے۔ انسانی کمالات کے عمدہ معیار یہی نفوس قدسیہ ہیں جن کے مطابق ہر دَور میں عمدہ نمونے ڈھلتے رہے ہیں۔ دنیا میں محاسن اخلاق کا جو بھی سرمایہ ہے وہ صرف انہی مقدس ہستیوں کی وجہ سے ہے جو حسن اخلاق اور کمالات انسانی کا اعلیٰ پیکر تھے۔ انبیاء کرام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہیں پروردگار عالم نے ایک خاص مقصد کیلئے تیار کیا۔ یہ فیوضات الٰہیہ سے مستفیض ہو کر انسانیت کیلئے نمونہ کمال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انبیاء کی پیروی میں اللہ کے صالح بندوں نے تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب کا سلسلہ جاری رکھا جس سے خلق کو بہت فائدہ پہنچا۔

جس طرح ایمان اور حسن خلق لازم وملزوم ہیں اسی طرح تقویٰ اور حسن خلق بھی۔ تقویٰ انسان کی اس باطنی کیفیت کا نام ہے جو نیکی پر آمادہ کرتی ہے اور گناہ سے روکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تقویٰ یہاں ہے۔اس قلبی کیفیت کا مظہر حسن خلق ہے قرآن پاک نے متقین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک جامع تصویر کھینچی ہے:

"نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے، جو اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں عزیز مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور (غلام لونڈیوں کی) گردنیں آزاد کرنے میں خرچ کرے اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور وہ لوگ جو عہد کر کے اپنا عہد پورا کرنے والے ہیں اور مصیبت اور سختی میں جہاد کے وقت صبر کرنے والے ہیں یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔" (سورہ البقرہ: آیت: 177)

عفو و درگزر، میانہ روی، ایفائے عہد، پاکدامنی، اور راست بازی، انفاق فی سبیل اللہ، صداقت و امانت وغیرہ جیسے اخلاق حسنہ اہل ایمان و اخلاص کے اوصاف ہیں۔

قرآن و سنت کی نصوص سے واضح ہوا کہ حسن خلق کو دینی زندگی میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ایمان و تقویٰ، خیر اور بھلائی سب کسی نہ کسی طرح حسن خلق کے ساتھ مربوط ہیں اسی لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"بھلائی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں چبھے اور تجھ کو برا لگے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔"

حضور اکرم ﷺ نے گناہ کی حقیقت اور معصیت کا فلسفہ بڑے سادہ اور عام فہم انداز میں سمجھا دیا۔اس طرح آپ ﷺ نے مومن اور منافق کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"مومن سادہ اور سخی جبکہ فاجر فریبی اور بخیل ہوتا ہے"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جہاں اخلاق کی اہمیت کو واضح کیا وہاں بنیادی اصول بھی مہیا فرمائے، وہ اصول جن کی بنیاد پر اخلاق کے حسن وقبیح کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اخلاق کی ایک فہرست تمام مذاہب اور جملہ انسانی معاشروں میں مشترک رہی ہے یہ وہ ابدی اخلاقی فضائل ہیں جنہیں انسانوں کا ہر معاشرہ قبول کرتا ہے اور انہیں اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام ان کی آفاقی صداقتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام انسانی ضمیر کی آواز اور فطرت کی پکار کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ خالق کائنات نے قلب انسانی کے اندر ایک فطری صلاحیت ودیعت کی ہوتی ہے اگر وہ اسے ضائع نہ کر بیٹھے تو اسے وقتاً فوقتاً اعتدال کی راہ دکھاتی رہتی ہے۔ قرآن اس صلاحیت کی بات بھی کرتا اور اس کے تہذیبی کردار کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔ سورہ الشمس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے برائی اور نیکی کا احساس دلوں میں ڈال دیا ہے۔''

سورہ القیامۃ آیت: ۱۵۔۱۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: '' بلکہ انسان اپنے اوپر خود شاہد ہے۔ گو وہ کتنے ہی بہانے پیش کرے۔''

فطرت انسانی کے اندر موجود نیکی کا داعیہ اسے انحراف کا احساس دلاتا رہتا ہے اور راست روّی پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ قرآن نے اس کی قسم کھائی ہے۔

ترجمہ: ''اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو''۔ (القیامۃ: آیت:۲)

انسان کی باطنی آواز کو نہ صرف پہچانتا ہے بلکہ اس کے استحکام وضیاع کی طرف توجہ بھی دلاتا ہے۔ احساس مر نہ جائے تو باطنی صلاحیت فیصلہ کن حیثیت کی مالک ہوتی ہے۔

قلب کی یہ صلاحیت اور باطن کی یہ آواز انسانی کردار میں اپنا رول ادا کرتی رہتی ہے۔ لیکن انسان اگر اس کی حفاظت نہ کرے تو یہ آواز مدھم ہوسکتی ہے اور صلاحیت مٹ سکتی ہے۔

اسے زندہ رکھنے یا مٹانے میں انسان کا انفرادی ارادہ بہت اہمیت رکھتا ہے گو معاشرتی ماحول اور اجتماعی احوال بھی مثبت و منفی تاثیرات رکھتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس صلاحیت کی بقاء وضیاع کو ایک پُرحکمت طریقہ سے سمجھایا ہے:

"بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں داغ کا ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے تو اگر اس نے پھر اپنے آپ کو علیحدہ کرلیا اور اللہ سے مغفرت مانگی اور توبہ کی تو اس کا دِل صاف ہوجاتا ہے اور اگر اس نے پھر وہی گناہ کیا تو وہ داغ بڑھ جاتا ہے اور یہاں تک کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔" (الحدیث)

معلم اخلاق ﷺ کی یہ تعبیر، حیاتِ انسانی کے دینی تجربوں میں منفرد حیثیت رکھتی ہے کیونکہ عام طور پر گناہ کے تاریک اثرات کو زائل کرنے اور فطری صلاحیت کو برقرار رکھنے کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ مختلف مذاہب نے انسان کو اذیتوں کے ایک سلسلے سے گزار کر باطنی طور پر پاکیزہ رکھنے کا انتظام کیا۔ عیسائیت نے تو حضرت آدمؑ کی خطا کا بوجھ انسانی روح پر مسلط کردیا اور اس سے نجات کا ذریعہ مسیح کی قربانی ہے۔ ان کی مصلوبیت اور تعذیب پر یقین ہی باطنی طہارت اور اُخروی نجات کا ذریعہ ہے۔ آنحضور ﷺ کی تعبیر نے جہاں گناہ کی سیاہی اور اس کے تخریبی اثرات کا ذکر کیا وہاں اس سے بچنے اور روح کو زندہ و بالیدہ رکھنے اور باطنی شخصیت کو مجتمع رکھنے کیلئے نسخہ بھی تجویز فرمایا جو اس وقت منفرد علاج کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہے توبہ و رجوع الی اللہ۔ جس سے باطن کی تمام کثافتیں دور ہوجاتی ہیں اور انسان کا مَن اُجلا، نکھرا ستھرا رہتا ہے۔ باطن کے نور کو محمدی ﷺ تجویز ہی قائم رکھ سکتی ہے۔ اسلام نے ضمیر کی آواز کو زندہ رکھنے اور باطن کی صلاحیتوں کو قائم اور محفوظ رکھنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اس کا دیا ہوا نظام عبادات دراصل تطہیر قلب اور استحکام باطن ہی کا نظام ہے۔

مقصدِ حیات

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

انسان کے اندر فطری طور پر جستجو پائی جاتی ہے کہ وہ معلوم کرے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ وہ کیوں پیدا ہوا؟ کس کے لئے پیدا ہوا؟ اس کا مقصود حقیقی کون ہے؟ اور اس مقصود حقیقی کو کس طریقے سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ انسان کی زندگی کو معنویت اسی مقصد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بغیر زندگی بے کیف، بے رنگ، بے مقصد اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری کائنات کا ایک مقصد ہے، تمام مخلوقات کا ایک مطلوب حقیقی ہے اور اسی مطلوب حقیقی کی جستجو میں ساری کائنات بے چین اور بے تاب ہے:

مقصد حیات: مطلوب حقیقی کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ اور اس کے پاس کیسے پہنچنا ہے؟ یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اس مسئلے پر آج ہمیں گفتگو کرنا ہے۔ انسان کی فطرت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جب انسان عقل سلیم سے کام لے کر سوچتا ہے اور اپنے مقصد حیات کے بارے میں غور کرتا ہے تو اس کے سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ اہل ذکر کو جب اخلاص کی کیفیت نصیب ہوتی ہے تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ جملہ بار بار ادا ہونے لگتا ہے: ''اے اللہ! تو ہی میرا مطلوب ہے، اور تیری رضا ہی میرا مقصود ہے۔'' اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔"

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مقصود حقیقی ہے اور اس کی عبادت مقصد حیات ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عبادت سے کیا مراد ہے!

عبادت کا مفہوم:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لفظ "**عبادت**" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "عبادت کے مفہوم میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی بات اطاعت، بندگی اور کسی کے سامنے پامال ہونا ہے۔ عربی میں "**الطریق المعبد**" اس راستے کو کہتے ہیں جو لوگوں کے بار بار چلنے سے پامال ہو چکا ہو۔ عبادت میں دوسری بات محبت ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ عربی میں "**تیم**" اور "**عبد**" ایک دوسرے کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ "تیم" یا "متیم" اس شخص کو کہتے ہیں جو محبت کے آخری درجے تک پہنچ چکا ہو۔ اپنی ذات کو محبوب کے اندر فنا کر چکا ہو۔ گویا "**عبد**" اور "**یتم**" میں فریفتگی کا عنصر شامل ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق کی روشنی میں عبادت کے اندر دو بڑے بڑے جزو پائے جاتے ہیں۔ پہلا اطاعت اور دوسرا محبت۔ اگر کسی شخص کی چاروناچار اطاعت کی جائے مگر جذبہ محبت موجود نہ ہو تو وہ عبادت شمار نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص سے محبت کی جائے مگر اس کی اطاعت نہ کی جائے تو یہ بھی عبادت نہ ہوگی۔ جب محبت اور اطاعت یکجا ہوتے ہیں تو عبادت بن جاتی ہے۔ محبت بے اطاعت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی۔ چنانچہ آیت مذکورہ بالا کا مفہوم اب یہ ہوا:

"میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں، مجھ سے ہی محبت کریں اور میری اطاعت کریں۔"

دو میٹھے بول:

اسلام میں اس مقصد حیات کو دو میٹھے بولوں میں سمو دیا گیا ہے۔ پہلا میٹھا بول ہے:

"**لا الٰہ الا اللّٰہ**" کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ معبود حقیقی اللہ ہے۔

پوری کائنات میں تصرف اور اختیار اسی کو ہے۔ مقصود وہی ہے تو محبوب بھی وہی ہے۔ محبوب وہی ہے تو مطلوب بھی وہی ہے۔ جب سب اختیارات اس کو حاصل ہیں تو اُمیدیں بھی اسی سے وابستہ ہونی چاہئیں اور اس کے علاوہ کسی اور سے ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کسی اور سے مانگنے کی بھی حاجت نہیں۔

اہل اللہ "**لا الٰہ الا اللّٰہ**" کا مفہوم بیان کرتے ہیں:

الف۔ "**لا معبود الا اللّٰہ**" ﴿"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"﴾

ب۔ "**لا متصرف فی العالم الا اللّٰہ**"

"اللہ کے سوا کوئی بھی تصرف و اختیار رکھنے والا نہیں۔"

ج۔ "لامحبوب الا اللہ"

"اللہ کے سوا کوئی محبوب حقیقی نہیں۔"

د۔ "لامخوف الا اللہ"

"اللہ کے سوا کوئی ڈرنے کے لائق نہیں۔"

ھ۔ "**لا مرجو الا اللّٰہ**"

"اللہ کے سوا کوئی اس قابل نہیں کہ اس سے اُمید باندھی جائے۔"

تو مقصد حیات یہ ہوا کہ "**لا الٰہ الا اللّٰہ**" کو اپنی زندگی پہ طاری کرلیا جائے۔

یہ مقصد کس طریقے سے حاصل ہو؟ اس کی ترکیب کیا ہے؟ یہ بات دوسرے بول میں بیان فرمادی:

"مُحمد رسولُ اللّٰہ"

کہ محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو سکھا دیا اور سمجھا دیا' یہ تمہیں اس طرح کر کے دکھائیں گے۔اس مقصد کو حاصل کر کے بتائیں گے۔تم حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتے رہو۔مقصد تمہیں خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ہمارے لئے فرما دیا:

﴿تمہارے لئے رسول اکرم ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔"﴾

حصول مقصد کا طریق:

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ مقصد حیات کس طرح حاصل کیا؟ یہ مشن کس طرح شروع ہوا؟ کیونکر آگے بڑھا اور کس طرح پھیلتا چلا گیا؟ آپ جانتے ہیں کہ اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے دو ہی دور سامنے آتے ہیں۔ایک مکی اور دوسرا مدنی دور۔

حضور ﷺ کا مکی دور:

جہاں تک مکی دور کا تعلق ہے، یہ تیرہ سالوں پر محیط ہے اور حضور ﷺ نے ایک سیکنڈ ضائع کیے بغیر جو مختصر سے مختصر راستہ اپنایا اور حصول مقصد کے لئے جو طریقہ اختیار کیا وہ کیا تھا؟ آیئے! اس پر تفصیلاً بحث ہو جائے۔بعثت کے بعد آپ کو یہ ارشاد ربانی ہوا:

ترجمہ: "اے چادر میں لپٹنے والے محبوب۔اُٹھ کھڑے ہوں اور لوگوں کو ڈرائیں۔"

(المدثر:۳۱)

پھر آگے چل کر سورہ شعراء آیت:۲۱۴ میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: "اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کریں۔"

مزید سورہ الحجر آیت:۹۴ میں ارشاد ہوا:

''آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے باوضاحت بیان کیجئے اور مشرکوں سے کوئی تعرض نہ کیجئے۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے دعوت شروع کی، آپ ﷺ نے کھلے بندوں پہاڑی پر چڑھ کر لوگوں کو بلایا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو کھانے کی دعوت بھی دی۔ آپ ﷺ میلوں ٹھیلوں میں بھی جا پہنچے (عکاظ اور ذوالجنہ وغیرہ میں)۔ ہاں! جب تقریر کا موقع ملا تو تقریر بھی کی۔ حج اور میلوں کے موقعوں پر جو وفود اور بڑے بڑے سردار آئے، ان کے ہاں بھی جا پہنچے۔ ان کو بھی دعوت دی۔ جہاں جہاں پر بھی موقع ملا آپ ﷺ نے دین کی دعوت دی۔ اب صورت یہ پیدا ہوئی کہ وہ لوگ جو حق کے پیاسے تھے، فوراً آ گئے اور ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی۔

پیاسا آدمی دلیل نہیں مانگا کرتا۔ اگر ایک شخص کو بہت پیاس لگی ہوئی ہو اور اس کے سامنے پانی کا گلاس رکھ دیں تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے۔ اس لئے کہ پانی کا مطلوب ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت خدیجہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حق کے پیاسے تھے۔ ان کو دلیل کی ضرورت نہیں پڑی۔ فوراً ایمان لے آئے۔ حضرت ارقمؓ کا مکان مرکز بن گیا۔ وہاں چوری چھپے مل رہے ہیں، باہر سے لوگ آ رہے ہیں تو وہ بھی یہاں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ ایک چھوٹا سا گروپ بن گیا۔ آپ ﷺ نے ان کی تربیت شروع کر دی۔ وہ تربیت کا عمل کیا تھا؟

حضور ﷺ کا نظام تربیت:

قرآن مجید میں ہے: ''نبی لوگوں کے آگے اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانشمندی کی تعلیم دیتا ہے۔''

اس کام کے ترتیب وار اہم اجزاء ہیں:

توحید کی تعلیم:

آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے لوگوں کو تعلیم دی کیونکہ شرک و الحاد ہر قسم کی برائیوں' فسادات اور ظلم کی جڑ ہیں۔ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کئے بغیر معاشرے کی اصلاح ناممکن ہے۔ تعلیم توحید کے دوران یہ باتیں سمجھائی گئیں کہ انسان کیا ہے؟ خدا کا تصور کیا ہے؟ انسان اور خدا کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ خدا کے ذمہ کیا ہے اور بندے کے ذمہ کیا ہے؟ پھر آخرت کا عقیدہ اور وہ سب عقائد جو انسان کی زندگی کا رُخ موڑ دیتے ہیں، آپ ﷺ نے آہستہ آہستہ لوگوں کے دل و دماغ میں اتارنے شروع کئے۔ اس کے لئے آپ ﷺ نے انفس و آفاق دونوں سے توحید و آخرت کے حق میں قرآنی دلائل دیئے۔ مکی دور کی آیات میں انہی دلائل پر زور اور انہی کا تکرار ہے۔ توحید و آخرت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے انسانوں کا ذہن یوں تیار کرنا شروع کیا کہ انسان اسباب پر ہی مکمل بھروسہ نہ کرے بلکہ اسباب کو پیدا کرنے والے سے تعلق قائم کرے۔ اس دنیا میں لمبی لمبی اُمیدیں نہ باندھے بلکہ اگر لمبی لمبی اُمیدیں باندھنی ہی ہیں تو آخرت سے متعلق باندھے۔ اس طرح کا مزاج بنانا ایک طویل اور صبر آزما عمل ہوتا ہے۔

قرآن کی تعلیم:

وہ کلام جو اللہ کی طرف سے نازل ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے لوگوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ کا قرآن مجید پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ دس آیات حضور ﷺ سے سنتے تھے۔ ان کو یاد کر کے ان پر عمل کر لیتے۔ پھر آگے بڑھتے۔ مسلسل یہی طریقہ جاری رہا۔ علم برائے عمل تھا۔ تعلیم برائے تحقیق و تفریح نہیں تھی بلکہ تعلیم برائے تعمیل تھی۔ صحابہ کرامؓ جتنا قرآن پڑھتے اُسے عمل کے بعد اپنی شخصیت کا حصہ بناتے اور پھر آگے بڑھتے۔

تزکیہ کا عمل:

نبی لوگوں کو پاک کرتا ہے' ان کی روح کی میل کچیل صاف کرتا ہے۔ یہی اس کا اصل کام ہے۔ سب سے اہم مگر مشکل کام تزکیہ کا عمل مندرجہ ذیل عوامل کا مرہون منت رہا۔

ا۔ فیضان صحبت:

حضورﷺ کی صحبت جسے حاصل ہو جاتی ہے اور آفتاب رسالت کی شعاعیں جس شخص کے سینے پر براہ راست پڑ جاتی تھیں' وہ یکسر بدل جاتا۔

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو مے کدے سے تو دنیا بدل گئی

اسے ہم فیضان صحبت کہتے ہیں۔ یہی اکسیر اعظم ہے۔ تربیت و تزکیہ نفس کیلئے اس سے زیادہ موثر عمل اور کوئی نہیں۔ صحابہ کرامؓ کا سب سے بڑا اعزاز اور سب سے اہم عمل حضورﷺ کی صحبت اُٹھانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علماء کے نزدیک ایک صحابی کا مقام غیر صحابی سے بلند تر ہے۔ خواہ صحابی حضرت وحشیؓ (امیر حمزہؓ کے قاتل) ہی کیوں نہ ہوں اور مقابل میں غیر صحابی حضرت اویس قرنیؒ جیسے جلیل القدر تابعی کیوں نہ ہوں۔ اس لحاظ سے حضرت وحشیؓ کا مقام حضرت اویس قرنیؒ سے اونچا اور بلند تر ہے۔

ب۔ نماز کا عمل:

جونہی ایک شخص اسلام قبول کرتا ہے فوراً نماز اس پر فرض ہو جاتی ہے۔ اگر اسے نماز نہیں آتی تھی تو نقل ہی اتارتا تھا اور نمازیوں کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا۔ نماز جامع جمیع عبادات ہے۔ نماز میں تکبیر' تسبیح' تحمید' تہلیل' تلاوت' استغفار' درود شریف' دُعا' روزہ کی

پابندیاں، مختصر اعتکاف، بیت اللہ کی طرف توجہ (حج کا حصہ) قیام، رکوع، سجود، قعود، غرضیکہ ہر قسم کی عبادات اس کے اندر آ جاتی ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم بھی شامل ہوگئی۔ دن میں تقریباً اڑتالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ کا وِرد کرنا پڑتا ہے۔ دوستو! غور کریں تو پتہ چلے گا کہ دراصل یہ سارا دل کا معاملہ ہے۔ دل کی گہرائی سے جذبات کو ایک طرف موڑا جا رہا ہے۔ صرف عقل میں ہی بٹھانے کی بات ہوتی تو زندگی میں ایک آدھ مرتبہ سورۃ فاتحہ اچھی طرح سمجھ کر فارغ ہو جاتے مگر یہاں تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے کہ دن میں اڑھتالیس مرتبہ قرآن مجید کی ایک ہی سورۃ کا ورد کرو اور بار بار اس پر غور کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو ہم سمجھنے کے باوجود بار بار بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ ایسی چیز ہے جو ورد کرنے کی ہے۔ ذہن کے بعد دِل میں اور دِل کے بعد رگ و ریشے میں اتارنے کی ہے تا کہ آخر کار یہ شخصیت کا حصہ بن جائے۔ نماز ہر برائی سے محفوظ رہنے کا عمل ہے اور یہ بھلائی کو حاصل کرنے کا اقدام بھی۔ یہ صحابہ کرام کا اصل وظیفہ حیات تھا اور آنحضرت کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک گویا روحانی سرور، جذب و شوق اور کیف و مستی کا ذریعہ نماز ہے۔

ج۔ کثرت تلاوت:

تزکیہ کا تیسرا عمل قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے۔ قرآن مجید کے انوار کو اپنے سینے میں سمیٹنا اس کے مطلب کو دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتارنا اور آخر کار اس کو اپنی شخصیت کا حصہ بنانا ہے۔

د۔ قیام اللیل:

رات کا قیام حضور اکرم ﷺ پر پوری زندگی کے لئے اور صحابہ کرامؓ پر ڈیڑھ سال تک فرض رہا۔ ڈیڑھ سال کے بعد یہ فرض صحابہ کرامؓ سے ساقط ہوگیا۔ آدھی رات سے کچھ کم یا

کچھ زائد نوافل میں کھڑے ہوئے اللہ کے حضور قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔رحمت کی آیات آتی ہیں تو رحمت کی دعائیں مانگ رہے ہیں' غصہ وغضب کی آیات آتی ہیں تو اللہ کے غضب سے پناہ مانگ رہے ہیں۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورﷺ کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ نوافل تہجد پڑھتے ہوئے آپﷺ کے سینے سے گریہ وزاری کی آوازیں نکلتی تھیں جیسے چکی کی آواز آتی ہے یا دیگ کے اُبلنے کی آواز ہوتی ہے۔مسلسل تلاوت اور دُعا جاری رہتی اور یہ دونوں عمل باہم دگر بالکل یک جان ہو جاتے تھے۔تمام صحابہؓ یہ عمل کرتے تھے۔یہ کیفیت ہوتی کہ کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے۔پوری اُمت کیلئے دعا مانگ رہے ہیں' اپنے لئے دُعا مانگ رہے ہیں' یہ سخت کوشی اس لئے ہے کہ صبح تعلیم کے وقت ہر بات میں اثر پیدا ہو جائے جو بھی گفتگو ہو، دل میں تر جائے۔

دوستو! جب تک رات کو یہ محنت نہ کی جائے۔صبح کی بات میں اثر نہیں ہوتا۔ہر داعی کو رات کے وقت رو رو کر یہ دعا مانگنی چاہئے کہ اے اللہ! ہم تیرا پیغام پہنچانے کے لائق نہیں ہیں۔تو نے یہ فرض ہم پر عائد کر دیا ہے۔اب کہاں جائیں؟ اس امانت کو اٹھانے کی قوت اور ہمت کہاں سے لائیں؟ بات میں اثر کیسے پیدا ہو؟ اپنے کلام میں ربط کہاں سے لائیں؟ بھکاری بن کر تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہی توفیق نصیب فرما۔گنہگار ہیں' کردار کہاں سے لائیں؟ تو ہی دستگیری فرما۔دوستو! یہ ساری مناجاتیں رات کے وقت کی جاتی ہیں۔اس لئے کہ یہی وقت ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں ہے: ''یقیناً رات کا اُٹھنا نفس کو روندنے اور سیدھی بات کا ذریعہ ہے۔''

ھ۔کثرت ذکر:

حضورﷺ نے صحابہ کرام کو ذکر کی تلقین فرمائی۔اس لئے کہ ذکر تزکیہ نفس کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔اس دور میں بعض لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھ لی۔بس اور ذکر کیا ہوتا ہے؟ دیکھئے قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: ''جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو' کھڑے ہوئے بھی' بیٹھے ہوئے بھی' اور لیٹے ہوئے بھی۔'' **(النساء:۱۰۳)**

یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ ذکر سے مراد صرف نماز ہے۔آیت قرآنی کے یہ الفاظ کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ذکر کیا کرو' اس بات پر حجت قاطعہ ہیں کہ ذکر نماز کے علاوہ بھی ایک مستقل عمل ہے جو حضورﷺ کروایا کرتے تھے اور صحابہ کرام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔مزید برآں ڈیڑھ ہزار سال سے صحابہ امت کا یہ متواتر عمل چلا آرہا ہے کہ ہلکی دھیمی آواز میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں جسے قرآن مجید میں ''دون الجھر من القول '' کہا گیا ہے۔ایک جگہ فرمایا: ''جی ہی جی میں اللہ کو یاد کیا کرو۔'' (یعنی زبان ہلانے کی بھی ضرورت نہیں) ذکر سے مقصود بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کو یاد کیا جاتا ہے اس کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔کثرت ذکر سے اللہ تعالیٰ اپنی محبت نصیب فرما دیتا ہے ورنہ ذکر کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ذکر سے مراد وہی ذکر ہے جو حضورﷺ نے صحابہ کرام کو سکھایا۔

حدیث رسولﷺ ہے: ''افضل ترین ذکر **لا الہ الا اللّٰہ** کا ورد ہے۔''صحابہ کرامؓ کثرت سے یہ ذکر کیا کرتے تھے۔مسجد کے اندر کبھی اونچی آواز میں اور کبھی دھیمی آواز میں:

''سبحان اللّٰہ' الحمد للّٰہ' اللّٰہ اکبر' استغفر اللّٰہ''

درود شریف اور ''لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ'' یہ سب اذکار حضورﷺ صحابہ کو سکھاتے ہیں۔

انسان کو ذکر کی جب توفیق مل جاتی ہے تو دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاص کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے کہ اے اللہ! میں بس تیرا ہی ہوں۔ اے اللہ! میرا جو کچھ بھی ہے' وہ سب تیرے لئے ہے۔ اور یہ تڑپ پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح سے میرے وقت کو' میری جان' میری قوتوں' صلاحیتوں' میری سوچ' میرے جذبات' میرے چلنے پھرنے' میرے اٹھنے بیٹھنے' حتیٰ کہ میری ایک ایک حرکت کو اپنی راہ میں قبول فرما لے۔ یہ اخلاص ہے' یہ ذکر کے بعد نصیب ہوتا ہے اور اخلاص جب نصیب ہو جائے تو پھر پتہ چلتا ہے کہ "ایاک نعبدو ایاک نستعین" کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ یہ اخلاص کی کیفیت ہے کہ صرف "تیری ہی عبادت کرتے ہیں' صرف تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔" یہ ایک جذب و کیف کی حالت ہے۔ دوستو! بالکل جان لٹانے کی کیفیت ہے۔ اس کیفیت سے سرشار ہو کر آدمی کہتا ہے۔ "میری نماز اور میری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کیلئے ہے جو جہان کا پروردگار ہے۔"

دوستو! یہ دین کا راستہ ہے جو صرف سوچ بچار سے اور صرف لیٹے لیٹے مطالعہ کر لینے سے اور عقل کے راستے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے جذبات کا ایندھن درکار ہے۔ ورنہ آدمی ساری عمر یہی سوچتا رہتا ہے: کرنا تو چاہئے' کام تو اچھا ہے' ہاں کریں گے۔

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

جب کسی کے ذکر میں ڈوب جائیں تو اس کی محبت خود بلاتی ہے کہ میاں آ جاؤ۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سوا ایسا زیاں نہیں

پھر تو آدمی جان لُٹانے کیلئے ترستا ہے۔ سید ابو بکر غزنوی صاحبؒ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت! یہ دین کا راستہ تو بڑا لمبا راستہ ہوتا ہے۔ یہ کرنا ہے اور وہ کرنا ہے۔ سوچتے ہیں تو بڑا مشکل ہوتا ہے۔ جواب دیا: سوچتے رہو گے تو بہت مشکل معلوم ہوگا۔ اس کی محبت میں جھوم کر رختِ سفر باندھ لو گے تو آسان ہو جائے گا۔ آپ نے شعر سنایا:

میں مے کدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا

یہ تو مے کدے کی راہ سے ہو کر نکلنا پڑتا ہے۔ اگر محبت، جذب و مستی کی کیفیت سے ہو کر گزریں تو یہ راستہ طے ہوتا ہے۔ پھر جان دینا نہ صرف آسان ہو جاتا ہے بلکہ جان نہ دینا اور جان کو روک لینا ناممکن ہو جاتا ہے۔ دیکھئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضور ﷺ نے کتنا روکا، کتنا سمجھایا کہ ابو بکر! ابھی ٹھہر جاؤ، ابھی ہم کمزور ہیں، ابھی ہم کم ہیں، تم کھلے بندوں دعوت نہ دو۔ نہیں رک سکے۔ مجمع عام میں دین کی دعوت دینا شروع کر دی۔ اتنا مارا گیا کہ پہروں بے ہوش پڑے رہے۔ چہرۂ انور سارا داغ داغ ہو گیا۔ دیکھئے حضور ﷺ کے سمجھانے کے باوجود اپنے آپ کو روک نہیں سکے۔ اور کھلے بندوں تبلیغ شروع کر دی۔ جب آدمی راستے کو پالیتا ہے تو پھر اپنے آپ کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ذکر کی کیفیت جب انسان پر طاری ہوتی ہے تو انسان اللہ کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے اور اللہ اور اس کی ذات انسان کی رگ رگ اور نس نس میں سما جاتی ہے۔

اندر بوٹی مشک مچایا جان پھلن تے آئی ہو

کی کیفیت انسان پر طاری ہوجاتی ہے۔بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوجاتا ہے۔آپ دیکھیں حضرت بلالؓ کو جب دہکتے انگاروں پر لٹایا جاتا تھا اس تکلیف میں وہ کراہتے تو زبان سے اَحد اَحد کی آواز سنائی دیتی تھی۔ایک صحابیؓ کے سینے میں نیزہ مارا گیا اور وہ بدن کے آرپار ہوگیا۔اس نیزے کے لگتے ہی سینے کی گہرائی سے یک لخت آواز نکلی: ''ربّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔''

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کی ذات کتنی گہرائی میں اُتر گئی تھی۔یہ ذکر کا اثر تھا۔یہ مقام خالی سوچ بچار سے کب حاصل ہوتا ہے۔یہ تو صرف سپردگی اور انتہائے محبت وعشق سے حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ ترتیب یوں بنتی ہے کہ تزکیہ نفس کے دوران ذکر، ذکر کے بعد فکر، فکر کے بعد معرفت اور علم اس کے بعد اطاعت اور محبت اور محبت کے بعد درجہ احسان حاصل ہوتا ہے اور درجہ احسان عبادت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

یہ تھی تربیت جو حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی۔قربانیوں کے ذریعے اور مجاہدوں کے ذریعے دل کی زمین کو نرم کیا' اس کے اندر ذکر کا بیج ڈال دیا۔ہاں! اس کے اندر پسینے اور خون کی کھاد ڈالی' گویا دل کی زمین میں ''سبحان اللّٰہ' الحمدللّٰہ' اللّٰہ اکبر' لا الٰہ الا اللّٰہ ' کے بیج ڈالے، آنسوؤں کا پانی دیا، اخلاص کا پودا ہرا بھرا ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تناور درخت بن گیا۔قرآن مجید میں اس پودے کا ذکر ہے:

ترجمہ: ''کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی' پھر اس کو تقویت دی' پھر وہ گدرائی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی' کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔''

جب یہ کیفیت انسان پر طاری ہو جاتی ہے تو فرمانبرداری کرنا' اطاعت کرنا' نہ صرف آسان ہو جاتا ہے بلکہ انسان اس پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نافرمانی مشکل ہو جاتی ہے۔
دوستو! ایسی حالت میں انسان نافرمانی کرے تو پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ دنیا اندھیر ہو گئی ہے۔

میں نے فانی ڈوبتی دیکھی ہے نبض کائنات
جب مزاج یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

پھر تو حضور ﷺ کے اشارۂ ابرو پر کٹ مرنے کو سعادت سمجھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے حکم کی ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی منشاء پر گردن خم ہو جاتی ہے۔ ایک صحابیؓ نے پختہ مکان بنوا لیا۔ حضور ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی' سارا مکان گروا دیا۔ اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اس بات سے ڈرا جائے جس سے محبوب حقیقی کے ناراض ہونے کا احتمال ہو۔ وہ محبوب حقیقی جو ہم پر نظر عنایت رکھتا ہے' اس کی نگاہ کرم کے ہم محتاج ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی نظر عنایت میں فرق آ جائے۔

زبان کی آفت

(امام غزالیؒ)

زبان بظاہر گوشت کا ایک لوتھڑا مگر خدا کا بڑا انعام ہے ۔اس کا گناہ اور اس کی اطاعت دونوں آسان اور اہم ہیں ۔دوسرے اعضا تو ایک حد کے اندر اپنے اپنے کام کرتے ہیں مگر زبان کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے ،خیر وشر ،موجود و معدوم ،حقیقی و خیالی ہر چیز تک اس کی رسائی ہے۔کوئی چیز دور ہو،قریب ہو،صحیح ہو،غلط ہو،حق ہو،باطل ہو،زبان پر سب کا ذکر آسکتا ہے اسی لیے زبان کو پوری طرح قابو میں رکھنے کا حکم ہے،نامعلوم کس وقت کیا زبان سے نکل جائے جو آپس میں،خاندان میں،شہر میں،ملک میں فساد و فتنے کا باعث ہو جائے ۔انسان کیلئے سب سے زیادہ نافرمان یہی حصہ ہے،یہ انسان کو وزنی اور باوقار بھی بناتی ہے اور ہلکا اور خفیف بھی کر دیتی ہے اس لیے اب زبان کی آفتوں کی تفصیلات کو بیان کرنا ضروری ہے:

زیادہ بولنے کی آفت،خاموش رہنے کی فضیلت:

زبان سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی زیادہ تر خاموش رہے ۔خاموشی ہی حکمت اور احتیاط کی بات ہے۔کہا جاتا ہے کہ جسم کی اصلاح قلب سے ہوتی ہے اور قلب کی اصلاح زبان پر منحصر ہے۔جس کو سلامتی مطلوب ہو اس کو زیادہ تر خاموش رہنا چاہیے۔اگر کسی کی زبان سے اس کا پڑوسی تنگ ہے تو اس کی زندگی بھر کا بڑے سے بڑا عمل بیکار ہے،

سلامتی اور امن وچین کا سب سے بڑا ذریعہ سکوت ہے ۔صاحبِ بصیرت ،حکیم ،عقلمند اکثر وبیشتر خاموش رہا ہے، دراصل زبان کی حفاظت مال و دولت کی حفاظت سے زیادہ مشکل ہے اور اہم بھی ۔سکوت کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بولنے میں خطا، جھوٹ، غیبت، چغلی، فحش، خودپسندی، تکبر ممنوعات پر اصرار دجل فریب مخلوق کو ایذا مخلوق کی پردہ دری اور بہت سے عیوب صادر ہو جاتے ہیں اور خاموشی سے ہمت مجتمع رہتی ہے، وقار اور ہیبت باقی رہتی ہے ۔دل و دماغ نیک اور اچھی باتوں کے لیے فارغ رہتے ہیں، ہزاروں فتنے دبے رہتے ہیں ۔اگر گفتگو میں ضرر ہی ضرر ہے، نفع نہیں ہے تو ایسے بولنے سے خاموش رہنا بہتر اور افضل ہے، اور اگر گفتگو میں صرف نفع ہے تو ضرور کلام کرے، اور اگر کلام اور نفع اور ضرر دونوں ہوں تو دیکھنا چاہیے جو پہلو زیادہ ہو اُس کے مطابق عمل کرے' اور اگر کلام میں نہ نفع ہے نہ ضرر تو بولنا ہی بیکار ہے، اِس طرح اگر کلام کے چار حصے کریں تو تین حصّوں میں سکوت بہتر ہے اور ایک حصے میں بات کی اجازت ہے ۔معلوم ہوا کہ خاموشی زیادہ رکھے اور کلام کم کرے' انسان کو چاہیے کہ گفتگو کرتے وقت کلام کی آفتوں غیبت' جھوٹ چغلی اور دوسری قباحتوں سے محفوظ رہے ۔ایسی بات کہے کہ نہ خود بولنے والے کو ضرر ہو اور نہ کسی دوسرے بھائی کو ۔کتنا ہی بلند درجے کا عمل کرنے والا ہو اگر بلاوجہ ہر وقت بات اور کلام کرتا رہے تو ڈر ہے کہ اس کی ساری عبادت سارا عمل بیکار نہ ہو جائے ۔نیک بختی اور خوش نصیبی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آدمی بلاوجہ کلام نہ کرتا ہو' خواہ کتنا ہی مفید ہو' بلا موقع بلا تفکر اور تدبّر کے منہ سے کوئی کلام نہ نکالے ۔بے فائدہ تو کلام کرنا ہی نہیں چاہیے' با فائدہ کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی بڑی تفصیل اور تشریح کے ساتھ اپنے سفر کا حال بیان کرے اور اس میں آسمان و زمین کے قلابے ملانے لگے

جس میں اپنی بڑائی مقصود ہو۔اگر یہ پورا حال نہ بھی سناتا تو کوئی نقصان نہ ہوتا۔اور سنایا بھی تھا تو مختصر لفظوں میں خاص سبق آموز اہم واقعات کو سُنا دیتا۔ان تمام باتوں کا علاج یہی ہے کہ تنہائی کو پسند کرے تو شاید کثرت کلام سے بچ جائے۔زیادہ بولنے کی عادت بھی بُری ہے۔اگر ایک جملے سے بات پوری ہوگئی اور کلام نکل گیا تو مزید نہ کہے ورنہ زیادتی ہوگی اور یہ بُری عادت ہے۔مال کی جگہ زبان کو دے دے یعنی دبا کر رکھے اور زبان کی جگہ مال کو دے دے یعنی خوب خرچ کرے۔جو زیادہ بولتا ہے سمجھ جاؤ وہ بہت بے احتیاط اور جھوٹا آدمی ہے۔ایک عالم کیلئے اس سے بڑا کوئی امتحان نہیں کہ وہ بولنے سے زیادہ سنتا رہے کیونکہ عالم کے دل کا سب سے بڑا تقاضا بولنے اور اپنے علم کو کھولنے کا ہوتا ہے۔سننا اُس کیلئے بہت مشکل کام ہے کلام میں زیادتی اور کثرت کے علاوہ اس کا بھی خیال رہے کہ باطل اور گناہ کی چیزیں نہ آنے پائیں۔اس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ ضرورت سے زائد نہ بولنے کا پکا ارادہ کرے۔ورنہ احساس بھی نہ ہوگا اور آدمی برباد ہو کر رہ جائے گا۔بعض بڑے قسم کے واقعات جو پہلے ہو چکے ہوں جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔تو ان کا ذکر بھی زائد بات ہے اس سے بھی بچنا چاہیے۔اپنے دوستوں، ساتھیوں، یا مخالف کی بات کاٹنی اور ردّ کرنا یہ بھی بُری بات ہے۔خواہ وہ لفظی گرفت ہو جیسے یہ کہے ''جناب ذرا آپ اپنے جملوں پر غور کریں! کیا غلط زبان بول گئے ہیں۔'' اور خواہ وہ معنوی گرفت ہو'' جیسے کسی کی تحریر کی غلطیاں نکالی جائیں یا جو بات کہنے والا اپنی بات میں جو معنی بیان کر رہا ہے اُسے روکا جائے کہ یہ معنی غلط ہیں'' اسی طرح علمی بحث و مباحثہ جدال و تکرار بھی ناروا بات ہے، گفتگو میں کبھی بحث و مباحثہ و تکرار نہ کرے نرمی سے افہام و تفہیم سے گفتگو کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ

مجلس میں بیٹھ کر سب کی سُنے خود کچھ نہ بولے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سخت مشکل بات ہے کہ محفل میں بیٹھا ہو غلط بات ہو رہی ہے' لوگ غلط حصہ لے رہے ہیں کسی کو صحیح بات معلوم ہو اور وہ محض بحث و تکرار سے بچنے کیلئے گفتگو میں حصہ نہ لے۔ اسی لیے ایسے مرد کی تعریف کی گئی ہے برحق بات جانتے ہوئے بھی لوگوں کی بات کاٹنی چھوڑ دے۔ زبان ایک آفت اور لڑائی ہے اس سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔ یہ خالص جانور کی نشانی ہے اور انسانوں کے مقام سے بہت نیچے کی بات ہے' خصومت سے دلوں میں گرہ پڑ جاتی ہے' دل مکدّر ہو جاتا ہے۔ آدمی ایک دوسرے کا دشمن ہو جاتا ہے۔ آپس میں ترک تعلقات اور معاملات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب بُری باتیں ہیں۔ اسی لیے تعلیم دی گئی ہے کہ ''لوگو! دوسروں کو ہمیشہ اچھی بات کہو اور کوئی تم کو سلام کرے تو خوشی سے جواب دو۔ خواہ وہ سلام کرنے والا مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔'' اچھا کلمہ اور نرم گفتگو کے لیے ہم مذہب کے لوگوں سے اچھی بات کرنی چاہیے۔ ''نیکی اور عبادت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ انسان کشادہ پیشانی اور نرم زبان رکھتا ہو۔'' عقلمندوں نے کہا ہے اگر تمھاری باتوں سے تمہارا ساتھی اور پاس بیٹھنے والا راضی ہے تو خدا بھی تم سے راضی ہے۔ اس لیے نرم کلام کرنے سے دریغ نہ کرے۔ پھر گفتگو اور کلام میں زیادہ تکلّف سے کام نہ لے۔ گفتگو میں قافیہ بندی' زیادہ فصاحت و بلاغت جس سے مطلب ہی خبط ہو جائے کچھ اچھی بات نہیں۔ مطلب اور مدعا سے پہلے لمبی لمبی تمہید بھی زیادہ پسندیدہ نہیں ہے' عام گفتگو میں اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ یہ چیز تو خطبے وغیرہ میں گوارا کی جا سکتی ہے۔ اگر افراط و تفریط سے بچ کر ہو' اسی طرح بات بات پر گالی بکنا' کسی کو بُرا بھلا کہنا یہ بھی بُرا ہے۔ اس سے باطن کی بُرائی کا پتہ چلتا ہے حتیٰ کہ اپنے دشمنوں یا دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی بُرا نہیں کہنا چاہیے

جو بات کہنے کی نہ ہو یا حیاو شرم کے خلاف ہو اُسے ہرگز زبان سے نہ نکالے۔ فحش باتیں زبان سے نہ نکالے' فحش کا مطلب یہی ہے کہ قبیح باتوں اور بُری چیزوں کا اشارے میں بھی ذکر نہ کرے۔ مجلس میں بیٹھ کر پرائی عورتوں کا نام لینا' اُن کی تعریف کرنا' دلچسپی سے اُن کا ذکر کرنا سخت بے شرمی کی بات ہے۔ کسی پر لعنت ملامت کرنا یہ بھی سخت بُری بات ہے انسان' حیوان' نباتات' جمادات کسی پر لعنت نہیں کرنا چاہیے۔ کوئی جب زمین پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ہم دونوں میں سے جو زیادہ نافرمان ہو یہ لعنت اسی پر پڑے' لعنت کے معنی ہوتے ہیں خدا کی رحمت سے کسی کو دُور کرنا تو انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ کسی کو خدا کی رحمت سے دور کرے۔ اور مرے ہوئے لوگوں پر تو لعنت کرنی ہی نہیں چاہیے۔ وہ بے چارے تو اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ اُن کو ہمیشہ بھلائی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ زور سے ہنسنا وقار کے خلاف ہے۔ مسلسل اور دیر تک قہقہہ لگانے سے قلب افسردہ ہو جاتا ہے' ہاں ہنسی تبسّم کے ساتھ ہو تو بہت ہی مناسب اور درست ہے۔ شریف آدمی سے ہنسی کرو گے تو وہ بُرا سمجھے گا اور ذلیل سے ہنسی کرو گے تو اُس کو تم پر جرأت بڑھے گی' کبھی کبھی وقار کے ساتھ مزاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اُس مزاح سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

تمسخر' استہزاء اور دوسروں کا مذاق اُڑانا یہ باتیں اس لیے حرام ہیں کہ اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تمسخر دوسروں کی حقارت اور اہانت کو کہتے ہیں یا کسی کے عیب اس انداز سے بیان کیے جائیں کہ دوسروں کو ہنسی آئے یہی بات اگر پیٹھ پیچھے ہے تو غیبت ہے اور سامنے ہے تو تمسخر ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کون اچھا ہے کون بُرا ہے۔ پھر بھلا مذاق اُڑانے اور استہزا کرنے کا کیا موقع ہے' کسی کی تحریر پر' چلنے بولنے پر' ہنسنے ہنسانے پر' قد' کان آنکھ غرض کسی

حصّہ جسم یا کسی حرکت کی نقل کرنا یہی استہزا اور تمسخر ہے۔اس سے بہت بچنا چاہیے۔اسی طرح افشائے راز' کسی کے راز کو ظاہر کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔اس میں دوستی کا حق مارا جاتا ہے کیونکہ ایک شخص کی بات دوسرے کے پاس امانت ہوتی ہے۔جھوٹا وعدہ کرنا زبان کیلئے بہت آسان کام ہے مگر اس سے ایک بھائی کو جو کچھ پہنچتا ہے وہ سخت بُرائی کی بات ہے۔اس کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے جسے کسی کے جھوٹے وعدے پر انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ایسے ہی خود جھوٹ بولنا کھلی ہوئی بُرائی ہے۔چار خزانے ایسے ہیں جن کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے راست گفتار ہو۔امانت کی حفاظت کرنے والا ہو رزق حلال اور عمدہ اخلاق کا مالک ہو۔اگر کسی نے آپ کو کھانے پر بلایا آپ کا دل چاہتا ہے کہ کھالیں مگر آپ نے انکار کر دیا تو یہ انکار جھوٹ ہوگا لیکن کسی صحیح مقصد سے منع کیا ہے تو درست ہوگا' صحیح مقصد جیسے آپ کو یقین ہو کہ صاحب خانہ اخلاقاً پوچھ رہا ہے یا واقعی وہ چاہتا ہے کہ میں کھاؤں مگر اس وقت کھانا کم ہے مجھے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ایسے ہی جھوٹے خواب بیان کرنا بھی ایک طرح سے جھوٹ میں شامل ہے۔ایسے ہی غیبت ایک بڑی بُرائی ہے جس پر زبان خوب چلتی ہے۔ اسلام نے غیبت کرنے کو بھائی کا گوشت کھانے سے زیادہ بُری چیز بتایا ہے۔اسی لیے بزرگوں نے نماز' روزہ اور دوسری عبادتوں کے مقابلے میں افضل اس بات کو قرار دیا ہے کہ غیبت سے بچا جائے۔

جہاد اور شہادت، قرآن کی روشنی میں قسط2

(گزشتہ سے پیوستہ)

(علامہ اسحاق احمد)

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

سر سے پاؤں تک قرآن نظر آئے۔اس کا بولنا، چلنا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، دنیا دیکھ کر ہی اندازہ لگا لے کہ قرآن ایسے بندے پیدا کرتا ہے۔ میں اور آپ اپنے اندر جھانکیں! پوری دنیا میں کوئی یہ گواہی دے رہا ہے؟، ہمارا کردار یہ شہادت دے رہا ہے؟، دنیا کے سامنے ہم یہ مظاہرے کر رہے ہیں۔ دنیا تو ساری دیکھ رہی ہے کہ کافر جو وعدہ کریں گے، جو سودا کریں گے، وہی سامان دیں گے جبکہ مسلمان جو پیک کر کے بھیجیں گے اس میں بد دیانتی ہوگی، بے ایمانی ہوگی۔ دوبارہ ان سے لوگ سودا نہیں لیں گے۔ یہ شہادت ہم دے رہے ہیں؟ اللہ نے ان کو نہیں کہا جو میدان جنگ میں مارے جاتے ہیں۔ اللہ نے تم کو کہا ہے کہ رسول ﷺ تم پر گواہ (شہید) ہیں اور تم لوگوں پر شہید (گواہ) ہو۔ حضور اکرم ﷺ کو اللہ نے شہید کہا، حالانکہ وہ جان دینے والے شہید تو نہیں۔ حضور ﷺ اپنی گفتار سے، کردار سے ایسا دین واضح کرتے کہ آخری حج میں آپ ﷺ نے پوچھا کہ میں اس دنیا سے جا رہا ہوں قیامت کے دن میرے بارے میں پوچھا جائے گا، بتاؤ! کیا جواب دو گے کہ میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچا دیا!! شہادت دے دی، اعلان کر دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے ہاتھ اٹھا کر کہا،

اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے پہنچا دیا ہے، حق ادا کر دیا۔ آپ ﷺ نے تین بار کہا:

"اے اللہ! گواہ رہنا، جو امانت میرے سپرد تھی میں نے وہ پہنچا دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ گواہی دے گئے۔ ایک ایک بات واضح کر گئے۔ ساتھ قرآن نے کہا مسلمانو! اب تم لوگوں پر گواہ ہو، لفظ شہید ہے کہ تم ان لوگوں پر شہید ہو۔ ایک ایک مسلمان پوری دنیا کو بتلا دے کہ حق یہ ہے اور اس پر عمل اس طرح کیا جاتا ہے۔ اس لیے خدا کیلئے جہاد اور شہادت جو قرآن میں ہے اس کو سمجھو، جان دینے والے بھی شہید ہیں کیونکہ وہ تو بہت اعلیٰ شہادت دیتے ہیں۔ جان دے کر ثابت کر دیتے ہیں کہ اس دین کی صداقت میں کوئی شبہ ہوتا تو ہم کیوں مرتے۔ بڑی گواہی ہوئی یہ!! سب سے اونچے شہید ہیں۔ پھر اللہ سارے مسلمانوں کو شہید کہتا ہے کہ سب شہید ہیں زبان سے بھی شہادت دو۔ شہادت کا عالم خدا کی قسم یہ ہے کہ کسی پڑھی لکھی سوسائٹی میں جاتا ہوں۔ اُلٹی شہادت دیتے ہیں۔ نہیں جی قرآن بے کار ہے، اسلام نہیں چل سکتا، سود کا کوئی بدل نہیں، پردہ عورتوں کو قید کرنے والی بات ہے، یہ دین چل سکتا ہے بھلا۔ یعنی زبانوں سے بکنے لگے ہیں کہ یہ دین out of date ہے۔ اُلٹی گواہی دینے لگے کہ یہ تو پرانا ہو چکا چھوڑنا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے ترمیم کرو۔ شہادت یہ دینی تھی کہ یہ حق ہے، قیامت تک حق ہے، مگر ہم اُلٹی گواہی دے رہے ہیں۔ کافر تو کہتے ہیں اور ہم بھی کہہ رہے ہیں اس میں ترمیم ہونی چاہیے۔ یہ پرانی باتیں ہیں، زمانے کے تقاضے بدل گئے ہیں۔ اس ترمیم کا نام بھی جہاد رکھ لیا ہے۔ جہاد کرنا چاہیے حرام کو حلال کرنے کے لیے، توبہ! توبہ!

اللہ تو کہتا ہے کہ تم شہید ہو سارے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ شہادت سے ہی نکلا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں، اعلان کرتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ہم الٹی گواہی دے رہے ہیں۔ جا کے دیکھ لیں پڑھے لکھوں کی محفل میں،

لوگ ان کے سامنے بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ورنہ اب تو فیشن ہی بن گیا۔کوئی کہتا ہے اسلام میں لونڈیاں ہیں، اسلام میں زیادہ عورتیں ہیں۔کفر بک رہے ہیں یعنی الٹی گواہی دے رہے ہیں کہ ہم اس دین کو سچا نہیں مانتے، اور عمل میں تو جو حال ہے کہ کوئی مسلمان دین پر عمل نہیں کر رہا۔جھوٹ بولتے ہیں، وعدہ خلافیاں کرتے ہیں۔امانت میں خیانت کرتے ہیں۔اب یہ شہید کہاں ہیں؟ میں قرآن کی آیات پڑھتا ہوں کہ رسول تم پر شہید ہیں اور تم دوسرے لوگوں پر شہید ہو۔آپ جتنا چاہیں جان دینے والے شہید کی بات کریں، سلام عقیدت پیش کریں۔مگر شہید سارے ہیں، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زبان سے، اپنے عمل سے، اپنی کوششوں سے دنیا پر ثابت کر دے کہ ہم نے اس دین کو سچا پایا ہے۔ہم میں منافقت نہیں، دورنگی نہیں، دوہرا پن نہیں۔ہماری ایک ایک روش، ایک ایک طرزِ عمل اور طریقہ قرآن کے مطابق ہے۔قرآن کے مطابق بن کر دکھاؤ۔علامہ اقبالؒ ایک جگہ فرماتے ہیں ساری اُمت کہتی ہے کہ ہم زوال کا شکار ہیں ہم یہ ہیں، وہ ہیں۔اقبالؒ کہتے ہیں تم سمجھتے ہو ہمارے پاس دولت نہیں، اسلحہ نہیں اس لیے کمزور ہیں، معیشت کمزور ہے:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زرّی سے نہیں

یہ پیسوں کی کمی کی بات نہیں۔صحابہ کرام کے پاس پیسے تھے؟ ابھی بچہ بیان کر رہا تھا، حضرت حمزہؓ کو کفن نہیں نصیب ہوا، چادر پوری نہیں آ رہی تھی، سر ڈھانپتے تو قدم ننگے ہو جاتے اور قدم مبارک ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔کمی یہ نہیں، کمی یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں رہا۔

خوار از مہجوری قرآن شدی
شکوہ سنج گردش دوران شدی

تیری ذلت کا اصل سبب یہ ہے کہ تو نے قرآن کو چھوڑ دیا اور زمانے کی گردش کے شکوے کرنے لگا! بات تقدیر کی کرتے ہیں، اللہ کو ایسے ہی منظور تھا۔ اللہ کو کبھی ظلم منظور نہیں ہوا بلکہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ تم غالب رہو۔ مگر تم نے وہ راستہ چھوڑ دیا۔

اس لیے جہاد اور شہادت کے بارے میں آج کی یہ مجلس میں دو points ضرور لوگوں کے سامنے واضح ہو جانے چاہئیں کہ صرف مرواؤ نہیں۔ بہت زیادہ بچے تیار کرو، بہت کمی ہے۔ وہ ختم ہو گئے جو رجال تھے ہمارے بڑے بڑے۔ عطا اللہ شاہ بخاریؒ جیسے اور دوسرے ان کو کسی میدان میں کافر للکارتا تھا وہ اسے جواب دیتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ایسے آدمی تھے کہ آج ہندوؤں میں عیسائیوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تو صبح ہی اس کے ساتھ مناظرے کے لیے تیار ہو جاتے۔ ان کا ایسا مطالعہ تھا وہ جانتے تھے کہ یہ سوال کریں گے۔ اب کہاں ہیں؟ کوئی عیسائی بلا لیں، کوئی مرزائی بلا لیں اس کے سامنے بات نہیں کر سکتے۔ میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آج شیخ الحدیث تیار کر لیں میں ایک قادیانی بلاؤں گا، ایک پادری بلاؤں گا۔ اگر بات کر جائیں تو میرا منہ سیاہ کر دیں۔ جب جہاد ہی نہیں ہوا جس کے لیے اللہ کہتا ہے کہ قرآن کے ذریعے جہاد کرو۔ علم ہونا چاہیے ہر مسلمان کے پاس کہ وہ اپنے دین کو جانے۔ وہ بات تو نہ ہو کہ ایک پٹھان نے کافر کو میدان میں گرا لیا اور کہا کہ پڑھو کلمہ۔ کافر کہتا ہے پڑھاؤ کلمہ! پٹھان کہنے لگا: کلمہ تو مجھے بھی نہیں آتا! یہ حال ہو گیا کہ دین نہیں سیکھتے اور نہ ہی اس کو پھیلاتے ہیں۔ مکہ میں جس جہاد کا حکم تھا کہ قرآن کے ذریعے سے جہاد کرو۔ آپ اس سوسائٹی میں بیٹھے ہیں سب پڑھے لکھے لوگ ہیں، ان سے آپ پوچھیں! کیا قرآن پڑھا ہے؟ ترجمہ آتا ہے اس کی تفسیر آتی ہے؟ نہیں!! تو کیا جہاد آپ کر رہے ہیں۔ کفار جن کو ہم مار رہے ہیں اگر انہوں نے قیامت کے دن دامن پکڑ لیا

کہ ہمیں ان لوگوں نے منوایا تھا کہ قرآن سچا ہے۔ہم تو اپنے دین کو سچا سمجھتے تھے۔تو کون اس خون کا جواب دے گا۔کہاں ہم جا کر اپنی شہادت ثابت کریں گے۔اللہ کہے گا تمہاری وجہ سے میرے اتنے بندے دوزخ میں چلے گئے تم نے جا کر بم مارا اور وہ مر گئے۔ان کو دین سکھایا تھا؟۔اور نہیں سکھایا تو حساب دو کہ تمہیں حکم تھا کہ پہلے دین لوگوں تک پہنچاؤ اور دین ایسے طریقے سے پھیلاؤ کہ حجت تمام ہو جائے۔بہانہ نہ رہے انکو اپنے سامنے بٹھاؤ کہ بھائی اپنے شکوک دور کرو ہم دباؤ سے نہیں منوائیں گے۔تمہارے جو اعتراض ہیں کرو!ہم تسلی کریں گے۔اگر تمہیں مطمئن کریں تو دین قبول کرو۔اگر نہیں تو اپنے دین پر رہو۔پھر دوسرا مرحلہ ہے۔ اسلام نہیں قبول کرتے تو کوئی بات نہیں۔جہاد تو جنگ ہے اللہ نے صرف اس صورت میں اجازت دی ہے کہ دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو جائے کلمہ زبردستی نہیں پڑھانا، نہ ہی کلمہ زبردستی دل میں اترتا ہے۔اگر ہم زبردستی کافر کے سر پر تلوار رکھ کر کہیں کلمہ پڑھ لو، کافر کلمہ پڑھ تو لے گا مگر دل سے نہیں اور نہ کلمہ دل میں اترے گا۔اسلام اور کفر دل سے تعلق رکھتا ہے۔اس لیے اللہ کہتا ہے زبردستی کلمہ نہ پڑھاؤ، یہ بے کار ہے۔علم کے ذریعے اسے قائل کر سکتے ہو تو کر لو۔ اگر صدق دل سے کلمہ پڑھ لے گا تو جنت میں جائے گا، اگر نہیں پڑھتا تو جہنم میں جائے۔

مگر دوسرا حصہ دین کا New World Order ہے کہ ظلم نہیں ہونے دینا، کوئی دنیا میں رشوت نہ کھائے۔کوئی غریب کا خون نہ پیئے، کہیں بیٹیوں کی عزت نہ لٹے، کہ کافروں سے بھی منوانا ہے۔اس کے لیے ہمیں ہر علاقے پر حملہ کرنا ہے مگر وہاں خون ریزی نہیں کہ بم مارو، دہشت گردی کرو۔نہیں، باقاعدہ جنگ۔یہ بھی آپ نے سن لیا کہ جیسے وضو کے بغیر نماز نہیں اسی طرح جہاد کہ ہم گئے اور لوگوں کو مار دیا۔آپ دیکھ لیں اللہ کے رسول ﷺ نے پابندی لگائی ہے۔ایک سربراہ امت ہونا چاہیے جس کی سربراہی میں جہاد ہو۔مجاہدین سے بات ہوتی ہے،

وہ میرے بھائی ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ حکمران ظالم ہیں۔میں کہتا ہوں حکمران ظالم ہیں تو پہلے انہیں روکیں۔پہلے اپنے علاقوں میں اسلام لائیں اور اگر آپ کے اپنے علاقوں میں شراب کی بوتلیں ہیں تو آپ کو کیا حق ہے کہ آپ دوسروں کی الماریوں کی تلاشی لیتے رہیں۔ جو علاقے آپ کے قبضے میں ہیں وہاں قرآن نہیں چل رہا اور آپ کے حکمران اس طرف نہیں آتے تو آپ کیوں غیروں کو تنگ کرتے ہو۔وہ بے چارے تو اس کو حق ہی نہیں مانتے۔ تمہارے اپنے ملک میں اسلام نہیں چل رہا تم مجاہد ادھر کیوں نہیں آتے۔نہیں اندر سے چلے گا۔انہوں نے باقاعدہ ایک کتاب لکھی ''طاغوت کے تعاون سے جہاد''۔طاغوت کے خلاف تم جہاد کرو۔لڑائی نہیں کرنی،خون نہیں بہانا،ان کے خلاف جہاد یہ ہے کہ ہم سب متحد ہو کر ان کو مجبور کریں کہ تم مسلم ہو،کافر نہیں ہو،ہمارے بھائی ہو۔اسلام چلاؤ۔ہم نے پہلے اسلام یہاں چلانا ہے اور آپ یہ یقین جانیں دین کی روشنی میں کہ جن کے اپنے ملکوں میں دین نہیں انہیں قطعاً اجازت نہیں کہ وہ سرحد پار کر کے کافروں کو ماریں۔

(جاری ھے)

نوٹ: گزشتہ شمارہ فلاح آدمیت ماہ ستمبر 2021 میں
عبدالرشید ساہی کے مضمون جمہوریت صفحہ نمبر 47 پر شعر اور رباعی
علامہ محمد اقبالؒ کے نام سے منسوب کئے گئے ہیں
جبکہ پہلا شعر وقار انبالوی کا ہے اور رباعی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی ہے
اس کیلئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

مریض

(حکیم محمد سعیدؒ)

صحت کا مفہوم بے حد وسیع ہے۔ ہر دَور میں اور ہر زمانے میں صحت کی مختلف اور متعدد تعریفیں کی گئی ہیں۔ لیکن اگر ہم اسے مختصر طور پر سمجھنا چاہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ صحت جسم و جاں کے توازن کلی کا نام ہے۔ اسی توازن کے قیام اور اس کے تحفظ کا احساس کم و بیش تمام جانداروں میں پایا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ انسان کے سوا باقی تمام جانداروں میں یہ جبلت کے ذریعے سے ودیعت کیا گیا ہے اور انسان میں حفظ صحت عقل و فہم پر مبنی ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ جانداروں میں بھی وحی کا نزول ہوتا رہا ہے۔ اس فرق کا عملی اظہار اس طرح سامنے آتا ہے کہ جانوروں میں جب بھی توازن میں اختلال واقع ہوتا ہے تو ابنائے نوع متاثرہ جانور سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس، بعض ان جنگلی قبائل کو چھوڑ کر کہ جن کی تہذیبی سطح ابھی تک ابتدائی مرحلے سے آگے نہیں بڑھی، انسانی معاشرے میں مریض ہمدردی کا مستحق اور محبت کا مرجع بن جاتا ہے۔

انسانی امراض کا تعلق صرف جسم سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ ان کا مفہوم اخلاق و روح پر بھی محیط ہے، لیکن بالعموم مریض کا لفظ اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے کہ جو کسی جسمانی عارضے میں مبتلا ہو۔ صحیح معنی میں انسان ایک اکائی ہے اور اس کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا اب اس حقیقت کو مغرب کی عصری سائنس اور میڈیسن بھی تسلیم کرنے لگی ہے۔ ان تینوں حالتوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور وہ ایک دوسرے پر بھی

لازماً اثر انداز ہوتی ہیں۔ مریض کے جس مفہوم کو بھی پیش نظر رکھیں' آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ مریض ہماری محبت وشفقت' ہماری مروّت ومودّت اور ہمارے رحم وتوجہ کا محتاج و مستحق بن جاتا ہے۔ افراد اور معاشروں کے تہذیبی درجے کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مریضوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک اور برتاؤ روا رکھتے ہیں۔ اگر ان میں مریض سے متعلق ہمدردی کی بجائے سرد مہری' محبت واحترام کی بجائے ناگواری اور نفرت پائی جائے اور ان کے سلوک اور روّیے سے پرسوز قرب ویگانت کے بجائے سنگ دلانہ بے گانگی کا اظہار ہو تو یقیناً اسی تناسب سے انہیں غیر مہذب اور انسانیت سے عاری کہا جائے گا۔

اگر غور کیا جائے تو مریض کے ساتھ غلط روّی کا ایک بڑا سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرض اور مریض کا فرق نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس سے ابنائے نوع کے روّیے میں پراگندگی پیدا ہوتی ہے۔ مرض اور مریض کی یکجائی سے سطح بینی فریب کو ملحوظ خاطر ہو جاتی ہے۔ عقل و دانش اور بلاغت وفکر ونظر کا تقاضا یہ ہے کہ اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ تہذیب انسانی کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک طرف مرض کو پوری کاوش' ہنرمندی' مستعدی اور پرعزم اضطراب خاموشی سے دور کیا جائے اور دوسری طرف مریض کی دیکھ بھال اس نرمی ملائمت' یگانت اور محبت سے کی جائے جس کا وہ بہر حال مستحق ہے۔

اسلام ہدایت ربّانی کے تحت تہذیب انسانی کا نقطۂ معراج ہے۔ یہ وضاحت' دردوسوز اور تاکید واصرار کے ساتھ یہ سکھاتا ہے کہ ہمیں مریض کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ گھر کا بستر ہو' ہسپتال کا وارڈ ہو یا جنگ کا میدان ہو' اس نے مریض کے ساتھ ہر حالت میں وہ سلوک روا رکھنے کا درس دیا ہے کہ جو شرافت کا حسن وکمال اور تہذیب کی اعلیٰ ترین آبرو ہے۔ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرض سنگین صورت اختیار کر لے تو

مریض کی عیادت کو جانا فرض کفایہ اور عام حالت مرض میں جانا سنت نبوی ﷺ ہے۔ محدثین نے مرض اور مریض کے بارے میں باقاعدہ الگ ابواب قائم کیے ہیں جن میں تفصیل کے ساتھ اس سلوک کا ذکر ہے کہ جو ایک مریض سے کیا جانا چاہیے۔ یہ سلوک موقع ومحل کے اعتبار سے تہذیب کی اعلیٰ ترین اقدار کی عکاسی کرتا ہے۔

ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت ابوسعیدؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مریض کے ہاں جاؤ تو موت سے متعلق اس کی تشویش رفع کرو۔ اس سے معاملہ ٹل تو نہیں سکتا، لیکن مریض کو تسکین ہوگی۔'' ایک متفق علیہ حدیث کے مطابق حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ''جب کبھی ہم میں سے کسی کو تکلیف ہوتی، حضور ﷺ اس پر اپنا دایاں دستِ مبارک پھیرتے اور فرماتے: ''اے پروردگار! اس کی تکلیف رفع کردے اور اسے شفا دے۔ اے شافی! کہ تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں، تیری شفا ایسی ہے جس سے کوئی بیماری باقی نہیں رہتی۔'' ہادی برحق کی یہ بات انسان کے ہر مرض کے لیے کتنی سچی ہے!

مریض سے محبت کا اہم تر پہلو اور نکتہ یہ ہے کہ معالج مریض سے کتنی اور کس طرح محبت کرتا ہے۔ درحقیقت مرض اور صحت وشفاء کا اس محبت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ نہ صرف ایک انسانی معاملہ ہے، بلکہ یہ ایک معالجاتی نکتہ بھی ہے اور لازماً اخلاقی مسئلہ بھی۔ میرا اندازِ فکر یہ ہے اور یقیناً اور لازماً ہر معالج ذی ہوش کا اندازِ فکر یہی ہونا چاہیے کہ معالج جب تک اپنے زیر علاج مریض سے محبت نہ کرے وہ سامان صحت نہیں کرسکتا۔ معالج جب تک اپنے زیر علاج مریض کے درد کو اپنا درد نہ بنالے وہ شفاء کا سامان نہیں کرسکتا۔ مریض کی آنکھ سے بہا ہوا آنسو جب تک معالج کی چشم کو نم نہ کردے، رشتہ صحت قائم نہیں ہوسکتا۔

مرض اور محبت وشفاء کا ایک اور نہایت اہم پہلو بھی ہے جسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے

وہ پہلو قومی ملی ہے۔ تعمیر و ترقی ملی کا صحت سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ یہ ہمارا ملی فریضہ ہے کہ ہم ملت کے ہر فرد کو تندرست، صحت مند اور توانا رکھیں۔ اس ملی ذمہ داری میں ہیئت حاکمہ، نظام صحت اور معالجین، سب کے سب شریک ہیں۔ غور و فکر کا یہ تفصیل طلب پہلو ہے اور اس کے مضمرات سیاسی بھی ہیں۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ انسان سے عدم محبت، ملت سے بے تعلقی اور صحت عوام سے غفلت بڑے سنگین نتائج پیدا کرتی ہے۔ شاید ہم بحیثیت ملت اس عدم محبت کے شواہد سے آج بھی بڑی شدت کے ساتھ دو چار ہیں۔

آیئے! مریض سے محبت و عیادت کی روایت رائج کریں۔

دعائے مغفرت

کوجرانوالہ سے بھائی حمید اللہ کے چھوٹے بھائی

نوکھر سے بزرگ بھائی لطیف ڈار

(محمد صدیق ڈارؒ کے چھوٹے بھائی) کی اہلیہ

فیصل آباد سے بھائی منظور قادر بھٹہ کی ہمشیرہ

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

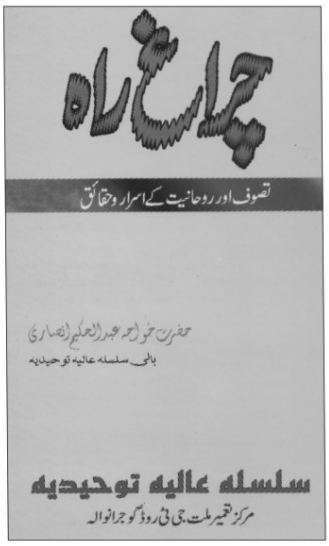

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

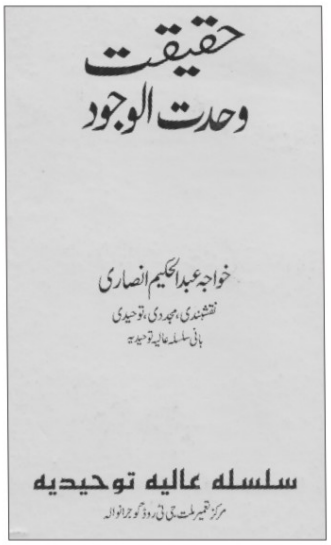

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

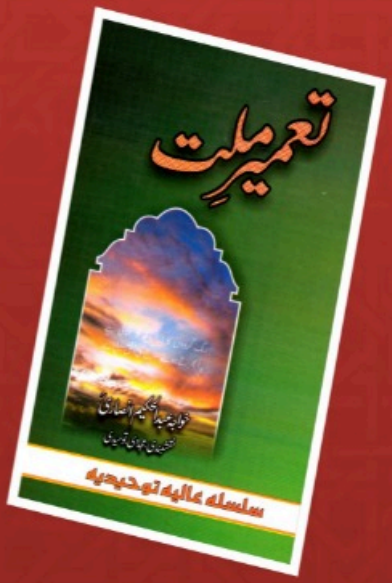

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

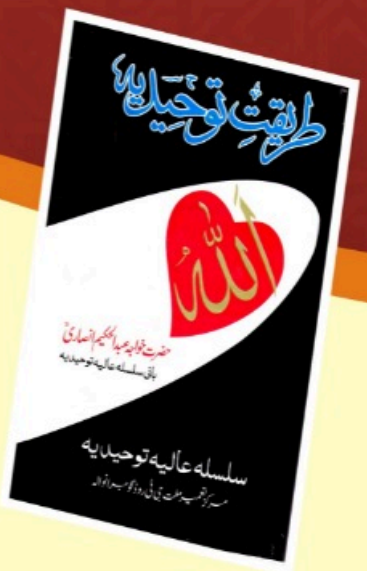

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com